بیادگار:
حضرت ابوالبرکات سید حسن قادری رحمۃ اللہ علیہ

الحسن

پندرہ روزہ
پشاور

سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی

درکفے جامِ شریعت درکفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

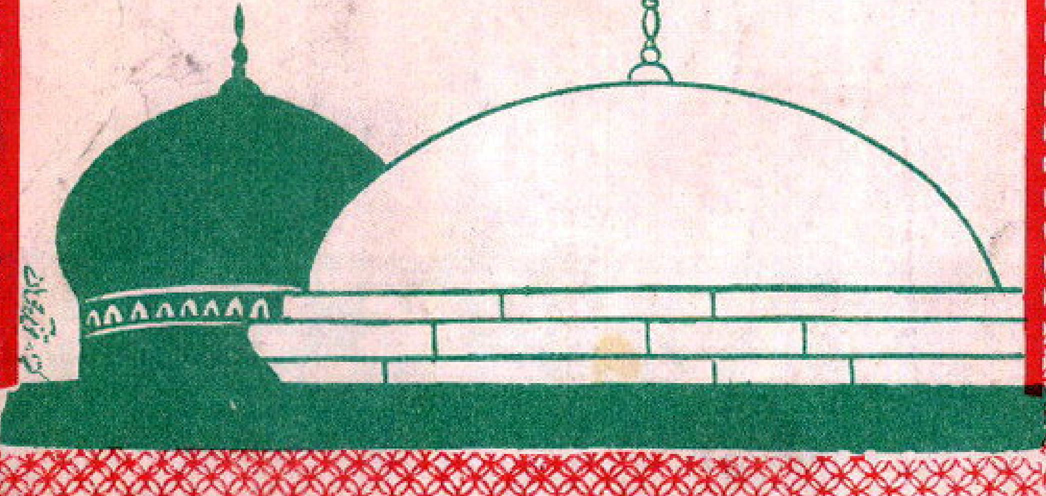

بسم اللہ الرحمن الرحیم

این بارگہ حضرت غوث الثقلین است
نقد کرم حیدر و نسلِ حسنین است

مادرش حسینی نسب است و پدرِ او
زِ اولادِ حسن یعنی کریم الابوین است

بیادگار حضرت ابوالبرکات سید حسن قادری رحمۃ اللہ علیہ

جلد ۱ — شمارہ ۱۴ / ۱۵

۱۹۷۴ء

قیمت

دو روپے

پندرہ روزہ

الحسن پشاور

مدیر:- سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی

منتظم:- مفتی مشتاق احمد

فہرست

(۱)	نعت	ضیاء جعفری مرحوم	۳
(۲)	تفسیر القرآن	ادارہ	۸
(۳)	شرح قصیدہ بردہ شریف	مسلسل	۱۲
(۴)	انما یخشی اللہ	سید مجتبیٰ شاہ صاحب	۱۷
(۵)	اسنی المطالب		۲۳
(۶)	سیرت حضرت ابوالبرکات	مدیر	۲۸
(۷)	قرآن اور سائنس	سید ہدایت اللہ شاہ	۳۶

سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی نے نیو ایگل سٹار پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر روزہ "الحسن" یکہ توت پشاور سے شائع کیا۔

صوتِ حسن
رحمتہ اللہ علیہ

از

جناب آقا سید عنایت علیشاہ صاحب ضیا جعفری القادری گوجرہ

اے شہ نشینِ مسندِ ایوانِ آرزو — اے صبحِ نوبہارِ گلستانِ آرزو
اے سجدہ گاہِ قبلۂ ایمانِ آرزو — در مصر دیدہ یوسفِ کنعانِ آرزو

دل در ہوائے کوئے تو پرواز میکند
بنگر شکستِ شیشہ چہ آواز میکند

دودِ چراغِ کشتہ ام اے مشعلِ صفات — من تیرہ روزگارم و تو آفتابِ ذات
بے آب مثلِ ماہی ام اے چشمۂ حیات — اے از جمالِ روئے تو رخشندہ شش جہات

باشد کہ از کرم نظرے سوئے ما کنی
بیمار خویش را بہ نگاہے شفا کنی

اے نورِ دیدۂ شہ جیلی، جہاں پناہ — اے کارسازِ عالم و اے قدس بارگاہ
اے چشمِ مہر و ماہ براہے تو گردِ راہ — شاہاں گدائے کوئے تو با افسر و کلاہ

اے حجلہ گاہِ دیدۂ پاکاں سرائے تو
اے شہسوارِ حسن دو عالم فدائے تو

ہر دم نثارِ روئے تو شمعِ جمالِ طور
ہر جنبشِ نگاہِ تو موجِ مے
چشم و چراغِ شاہِ نجف منبعِ سرور،
فیضانِ قادری ز تو ہر لحظہ شد ظہور

ویرانہ ہا ز حسنِ تو آباد گشتہ است
پشاور از جمالِ تو بغداد گشتہ است

سرمایۂ بہارِ ازل نکہت آفریں!
اے پادشاہِ سلسلۂ زلفِ عنبریں
اے صدرِ بزمِ میکدۂ جامِ زرگیں
در تیرہ شب ستارہ فشاں لعلِ شکریں

اے آفتاب ایں شبِ تارم سحر نما
از جلوہ گاہِ نورِ قدیمم خبر نما

اے ماہِ حسن پرور و مہرِ ضیا نواز،
اے ابروئے میکدہ چشمِ نیم باز
ہر لحظہ از جبینِ تو پیدا جہانِ راز
ہر سجدہ بہ کوئے تو باشد مرا نماز

زیبد گدائے کوئے ترا نازِ سروری
داند فقیرِ راہِ تو رازِ سکندری

قابلِ توجہ

مسلمانانِ پاکستان

تاریخ اسلام کے صفحات صاف صاف بتا رہے ہیں۔ کہ مسلمانوں کو دنیا کے جس کسی حصے میں جب کبھی غلبہ حاصل ہوا۔ اسی غلبے کی ہمیشہ تعلیماتِ اسلام کی مرہونِ منت بن کر ہی اختتام پذیر ہوتی رہی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نشاندہ زدکردہ راستے پر چل کر مسلمانِ عالم سدا سرخرو رہے۔ اور دنیا کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں تھما دی جاتی رہی۔ موجودہ صدی کے سب سے بڑے واقعے یعنی قیام پاکستان کا محرک یہی زندۂ جاوید جذبہ تھا۔ کہ مسلمانانِ ہند و پاک کو ایک ایسا خطۂ زمین فراہم کیا جائے۔ جہاں وہ اپنی مرضی و منشاء کے مطابق تعلیمات اسلام کے تقاضوں کو پورا کر سکیں۔ بنارس سنی کانفرنس میں جمعیتِ العلماء پاکستان کے ایک اعلیٰ اور نمائندہ وفد نے حضرت قائداعظم علیہ رحمت سے "نظامِ مصطفےٰ" کے واضح نفاذ کا وعدہ و عید لے کر اپنی اجتماعی مساعی اور تعاون کو ان کے حوالے کر دیا۔ اس وقت کی جمعیت الاصفیاء سرحد کے قائد جناب امین الحسنات پیر صاحب مانکی شریف نے قائداعظم سے لکھوا لیا تھا۔ کہ قیام پاکستان کے بعد پاکستان میں صرف اسلامی نظام ہی رائج ہو گا۔ جس کے نتیجہ میں ۱۹۴۷ء میں پاکستان کی تشکیل کا وہ عظیم کارنامہ سرانجام ہوا۔ جسے مفتی اعظم فلسطین جناب امین الحسینی علیہ الرحمت کے الفاظ میں یوں بیان کیا گیا کہ خلافت عثمانیہ کے خاتمے پر میرا دل دو ٹکڑے ہو گیا تھا جو قیام پاکستان کے وقت دوبارہ جڑ گیا تھا۔!

ہم تاریخ کے اوراق میں جلی حروف سے لکھا دیکھ رہے ہیں۔ کہ اسلامی حکومتوں کے استقلال اور استحکام کو صرف اور صرف تعلیماتِ اسلامی پر عمل پیرا ہونے کی صورت میں دوام حاصل ہوا ہے۔ جب تک ذاتی اغراض سے ہٹ کر سنتِ

خلفاء راشدہ پر عمل کیا گیا۔ اور قومیں خلافت علی منہاج النبوت کے آفاقی حصار پر گامزن ہیں۔ ان کی سرحدوں نے دنیا کے بہارے براعظموں کے شمال و جنوب اور مشرق و مغرب کو ہلانے کی کھلی کھلی تعبیریں پیش کیں۔ لیکن جب بدقسمتی نے، بگڑ رو حاکمان ملک کے سفلی جذبات کی تسکین کے مواقع پیش کرنے شروع کئے۔ لکھوکھا بندگان خدا کے خون ناحق کی طغیانی میں ان کے تخت و تاج غرقاب ہو گئے۔ کہ تاریخ میں ان کا نام و نشان تک نہ رہا۔ خلافت امویہ کا خاتمہ یہ درس دیتے رہا ہے۔ کہ "ظلم" بہت کم حیاتی پاتا ہے۔ خلافت عباسیہ کا اختتام امراء کی عیاشیوں کی چغلی کھاتا رہتا ہے۔ اندلس میں آٹھ سو سالہ اسلامی دور حکومت "طاؤس و رباب اول" کی نذر ہو گیا۔ سقوط بغداد آج تک پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ کہ بیرونی حملہ آور وہ ناپاک مقصد حاصل نہیں کر سکتے۔ جو اندرونی غداروں کی سازشوں سے چند لمحات میں پورا ہو جاتا ہے۔ ہندوستان میں سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کے جانشین، بلبیسوں جعفران بنگال اور صادقان دکن کے ہاتھوں قعر ذلت میں جا گرے۔ ذاتی اغراض کے بندے بن کر نہیں خدا یاد رہا۔ نہ حیا ہی رہی۔ نہ آداب بزرگان کی پاسداری باقی رہی۔ حالانکہ ہم وہ تھے۔ جن کے تقدس کی قسمیں فرشتے کھاتے تھے۔ جن کے گھوڑوں کے سموں میں زمین کی طنابیں سمیٹ کر رکھ دی گئی تھیں۔ جن کے عدل کی گواہیاں عرش پر بیان کی جاتی تھیں۔ جن کے فقر کے قصے بیان کرنے میں جبرئیل ہمیشہ سبقت لے جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ غالباً ۱۹۴۰ء ۔۔ ۴۱ کے انتخابی نتائج کے بعد تمام ہندوستانی صوبوں کے وزراء اعلٰے مہاتما گاندھی سے یہ پوچھنے اکٹھے ہوئے۔ کہ ایسے آدمی کی نشان دہی کریں۔ جس کے نقش قدم پر چل کر حکومت کا کما حقہ حق اور پورا کیا جا سکے۔ مہاتما گاندھی نے جواباً کہا۔ کہ جہاں تک میں نے تاریخ عالم کا مطالعہ کیا ہے۔ اسمیں کوئی مثال سوائے خلفاء رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نہیں ملتی۔ جس پر چل کر صحیح حکومت قائم کی جا سکے۔ میں تمہیں یہی مشورہ دیتا۔ کہ اگر حکومت قائم کرنی ہے۔ تو ابوبکرؓ صدیق اور عمرؓ فاروق کے اسوہ حسنہ کے مطابق قائم کرو۔ ہم حیران ہیں کہ ہماری مثالیں تو دنیا پیش کرے ہمیں خراج تحسین پیش کرے۔ اور ہم اپنی راہنمائی کے لئے

یہودیوں کے سرمایہ دارانہ نظام اور اسکی بگڑی ہوئی مکروہ یعنی سوشلسٹ نظام کو اپناتے پھریں۔

ہم یہ لکھنے میں قطعاً باک نہیں سمجھتے۔ کہ پاکستان جیسے دنیا کے سب سے بڑے اسلامی ملک کو دو ٹکڑے کرنے کا محرک یہی جذبہ تھا۔ کہ ہم نے اسلامی تعلیمات کے مقابل میں سوشلزم کو دعوت دی۔ ہم بھول گئے۔ کہ راہنمائی کے لیئے قرآن سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ ہم بھول گئے۔ کہ خالق کائنات کے ہادی برحق صلی اللہ سے بڑھ کر کوئی اصول ساز نہیں۔ یاد رہے۔ ہماری نجات اسوۂ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں پوشیدہ ہے۔ ہماری راہنمائی قرآن عظیم سے وابستہ ہے۔ ہماری زندگی ادب سے عبارت ہے۔ ہماری بقا یادِ خداوندی میں مضمر ہے۔ ہمارا ملکی استحکام نظام مصطفےٰ میں چھپا ہے۔ اور ہماری آخرت کی سرخروئی ناموس رسالت کی حفاظت میں متمکن ہے۔ ہم نے کھلی آنکھوں سے دیکھا۔ کہ جب تعلیمات اسلامی کی اہمیت کو روٹی کپڑے اور مکان پر قربان کیا گیا۔ تو ہماری ملکی سالمیت قربان رہ گئی۔ اسی امر میں پچھلی حکومتوں نے ایسی بنیاد یں کھودنی شروع کر دی تھیں۔ جنکی وجہ سے عمارت پاکستان ڈھے گئی۔ لیکن ان آمروں کو پاکستان کی اساس پر حملہ کرنے کی جسارت نہ ہو سکی تھی۔ جونہی جابرانہ تعصبات نے پاؤں پھیلانا شروع کیا۔ پاکستان کی سرحدوں نے سکڑنا شروع کر دیا۔ ہماری مجرمانہ خاموشی نے سقوط حیدر آباد کے بعد دشمن کی ہمتیں بلند کر دیں۔ جونا گڑھ، مانادر، منگرول اور کشمیر ہماری دوں ہمتی کے باعث دشمن کے لیئے لقمہ تر بن گئے۔ اور ہماری ملی ذلت اور پستی کی انتہا۔ ہمیں یہ روزِ بد دکھا گئی۔ کہ ہم نے سقوطِ مشرقی پاکستان کے واقعات کو اپنی آنکھوں سے ٹی۔ وی پر دیکھنے کے لیئے مجبور ہو گئے

فاعتبروا یا اولی الابصار

چاہیئے تو یہ ہے۔ کہ ہم آج کے واقعات کا موازنہ صرف پچیس سال پہلے کے حالات سے کر کے اسی نتیجے پر پہنچ جائیں۔ کہ صراطِ مستقیم کی موجودگی میں بھول بھلیوں کی پگڈنڈیوں میں الجھنا نامناسب ہے۔ لیکن احساس ِ زیاں ہم سے جاتا رہا۔ اور ہمارا قافلہ لٹنا شروع ہو گیا۔ اور اگر ہم آج بھی نہ سنبھلے۔ تو خدا جانے کل کا سورج ہمارے

گلوں میں کون سے سوراج کا طوق ڈالنے طلوع ہو جائے گا۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں،

آئیے ہم اپنے اعمال میں اسلامی انقلاب برپا کر دیں۔ ہم نظامِ مصطفےٰ کے قیام کے لیے متفق ہو جائیں۔ ناموسِ مصطفےٰ کے لئے دل و جان سے کوشاں ہو جائیں۔ اور عامِ ملتِ پاکستان سیسہ پلائی دیوار بن کر ڈٹ جائے۔

ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم بنیان مرصوص

محمد اسلم قادری

نعت شریف

حضرت مولانا غلام محمد صاحب ترنم

بہت ہے داغِ غمِ دوست زندگی کیلئے
یہ اک چراغ ہی کافی ہے روشنی کے لیئے

بسا لو سینوں میں نامِ محمدِ عربی ؐ
صفائے قلب ضروری ہے بندگی کے لئے

بصیرتوں سے مزیّن نہ کیوں ہو بزمِ حیات
ترا پیام ہے انساں کی آگہی کے لئے۔!

یہ رنگِ شام و سحر یہ فضائے ارض و سماء
ہر ایک چیز بنائی ہے آپ ہی کے لئے !!

سراغِ منزلِ عرفاں مجھے بھی مل جائے
حضورؐ! آپ ہیں دنیا میں رہبری کیلئے

ترا سلوک کہ تھا اپنے آشناؤں سے !
وہی سلوک ہے مخصوص اجنبی کے لئے

ترا ہی نغمۂ وحدت ہے جانِ ترنم کی
وگرنہ ساز ہزاروں ہیں نغمگی کے لئے

تفسیر القرآن الحسینیہ

ادارہ

ایمان میں نجات ہے۔ نماز میں مناجات ہے۔ و انفاق (خرچ کرنے میں) درجات ہیں۔ یا یوں کہیئے گا۔ کہ ایمان میں بشارت، نماز میں کفارت، انفاق میں طہارت، یا ایمان میں عزت، نماز میں قربت، انفاق میں زیادت، پھر ان نکات اور رموز کے علاوہ ایک اور باریک رمز ہے۔ (تقویٰ) (ایمان) (نماز) (انفاق)، ان چاروں کا حق چاروں خلفاء نے ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا۔

(۱) تقویٰ کا حق یارِ غار صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادا کیا۔ بدلیل لہٗ تبغض فاما من اعطی واتقی وصدق بالحسنیٰ

ان کا حق حضرت فاروق اعظم یار دوم نے ادا کیا۔ بدلیل (انما) حسبک اللّٰہ ومن اتبعک من المومنین

صلوٰۃ (نماز) کا حق حضرت عثمان ذوالنورین نے ادا کیا۔ بہ دلیل آیۃ اَمَّنْ ھُوَ قَانِتٌ اٰناءَ اللیلِ ساجداً او قائماً

(۴) انفاق کا حق حضرت شیر خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ نے ادا کر دیا تھا۔ دیکھئے ارشاد باری ہے۔ الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار ○

مندرجہ بالا آیات کی تفسیر اور جن کے بارے میں یہ آیات اتری ہیں۔ ان کے دلائل یہ سب کچھ اپنے اپنے مواقع پر بیان کر دیئے جائیں گے۔

حضرت ابی عبداللہ حرث الرازی سے روایت ہے۔ کہ بنی اسرائیل کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نبی کو وحی فرمایا کہ میں نے فلاں شخص کی نصف عمر فقر اور نصف غناء پر تقرری کی ہے۔ اے نبی تو اس سے پوچھ کہ وہ کس چیز کو مقدم رکھنا پسند کرتا ہے۔

اس زمانہ کے نبی نے اس شخص کو بلا کر اس حال سے آگاہی دی تو اس نے جواب دیا۔ کہ میں اپنی بیوی سے پوچھ کر آتا ہوں۔ جب بیوی سے پوچھا۔ تو اس نے کہا کہ پہلی نصف عمر کے لئے تونگری مانگو۔ اور دوسرے نصف حصہ کے لئے فقیری طلب کرو۔ اس شخص سے کہا کر دیکھو غنا کے بعد فقر کا سامنا بہت دشوار ہوگا۔ اور اگر پہلے فقر نصیب ہو تو بعد میں غنا کی عیش بڑی لذیذ ہوگی۔

اس کی بیوی نے جواب دیا کہ تم نہیں سمجھتے ہو۔ اس میں حکمت ہے۔ میری بات مان جاؤ۔ اور پہلے غنا مانگو۔ اس شخص نے بھی زمانہ کو اپنی بیوی کے کہنے کے مطابق پہلے نصف حصہ کے لئے غنا اور بعد میں فقر پر رضامند ہونا بتا دیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے اس پر غنا کے دروازے کھول دیئے۔ اب اس کی بیوی نے کہا۔ کہ اس مال کو غنیمت جانو۔ اللہ کی مخلوق پر دل کھول کر خرچ کرو۔ تاکہ تمہاری نعمت زائل نہ ہو۔ اور اس کو بقا نصیب ہو۔

وہ شخص اگر بازار سے اپنے لئے کپڑا خریدتا۔ تو ایک مسکین کو دے دیتا۔ الغرض ہر ایک خرچ اسی طرح نباہتا۔ حتیٰ کہ عمر کا ½ حصہ گزر گیا۔

اب دوسرا حصہ فقر کا شروع ہونے والا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبیٔ زمان کو بذریعہ وحی پیغام ملا کہ میں نے فلاں بندے کی نصف عمر کے لئے فقر رکھا تھا۔ لیکن میں نے اس کو اپنی نعمتوں پر شاکر پایا۔ اور شکر اس امر کا مقتضی ہے۔ کہ نعمت کو زیادہ کروں۔

لئن شکرتم لا زیدنکم۔ ترجمہ، اگر تم شکر کرو تو البتہ ضرور نعمت زیادہ کروں گا۔ پس تم اس کو خوشخبری دو کہ وہ باقی نصف عمر کے لئے بھی تونگر اور غنی رہے گا۔

گرچہ کار د کرد انبارش تہی
لیکش او اندر شرع باشد تہی

وانکہ در انبار ماند و صرف کرد
اسپش موش حوادثہاش خورد

(مولانا رومی)

اور پھر اسی ضمن میں حافظ شیرازی فرماتے ہیں

احوال گنج قاروں کا یام داد بر باد
با غنچہ باز گوئید تا از نہاں نہ دارد

جاننا چاہیئے کہ انفاق کے متأثر الوجہ رتبیں ہیں۔

ایک سخا جس کی تعریف یہ ہے۔ کہ انسان کچھ خرچا کرے۔ اور کچھ رکھ لے۔

دوسرا جود جس کی تعریف یہ ہے۔ کہ انسان بہت خرچا کرے۔ اور تھوڑا رکھے۔

تیسرا ایثار ہے۔ جو اپنی حاجتوں کو قربان کر کے دوسروں کے حوائج پورے کرنے کے لئے اپنے پاس کچھ نہ رہنے دے۔

انفاق کے ہر پہلو پر بحث کی گئی ہے۔ چونکہ حدیث شریف قرآن مجید کی شرح ہے۔ اس لئے ذیل میں انفاق کے متعلق جو باتیں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہنچی ہیں۔ وہ درج کئے دیتے ہیں۔ یہ احادیث ہمارے معاشرے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور مفسرین کرام نے ینفقون کے تحت اپنی تفسیر کی کتابوں میں از روئے حوالہ درج کی ہیں۔

قرآن حکیم نے جہاں جہاں ہماری روحانیت اور نورانیت میں اضافہ کیا ہے۔ اور روحانی اصلاح کا پروگرام پیش کیا ہے۔ وہاں ہمارے تمدن اور معاشرت کو بھی درست کیا ہے۔ تاکہ اقوام عالم کے سامنے مسلمان اپنی تہذیب کا بہترین نمونہ پیش کر سکیں۔ دیکھئے تو ارشادات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کس حکمت کی بناء پر ہیں؟

(۱) نسائی اور ابو داؤد میں ابو ہریرہ سے روایت ہے۔ کہ ایک شخص حضور سراپا نور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا۔ میرے پاس ایک اشرفی ہے۔ فرمایا اس کو اپنے نفس پر خرچ کرو۔ عرض کی کہ، حضور ایک اور بھی ہے۔ فرمایا اپنے بیٹے پر خرچ کرو۔ عرض کی حضور ایک اور بھی ہے۔ فرمایا کہ اپنی بیوی پر خرچ کرو۔ پھر عرض کی، حضور ایک اور بھی ہے۔ فرمایا اپنے خادم کو دے دے۔ اس نے عرض کی کہ حضور ایک اور بھی ہے۔ فرمایا اب تو جان، یعنی باقی رشتہ داروں پر درجہ بدرجہ خرچ کر۔ اسی طرح کی ایک حدیث مسلم شریف میں بھی ہے۔

(۲) بخاری شریف میں یوں مرقوم ہے۔ جب مسلمان ثواب کے حصول کی خاطر اپنے اہل پر کچھ خرچ کرتا ہے۔ تو اس کو صدقے کا ثواب بھی ملتا ہے۔

(۳) حضور فرماتے ہیں۔ کہ ایک دینار وہ ہے۔ جو کہ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ اور ایک وہ جو کہ تو بردے کے آزاد کرنے میں خرچ کرتا ہے۔ اور وہ جو کہ تو مسکین پر خرچ کرتا ہے۔ اور

ایک وہ جو کہ تو اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے۔ ان سب سے اجر میں وہ دینار زیادہ ہے۔ جو تو اپنے اہل پر خرچ کرتا ہے۔ یہ مسلم شریف کی حدیث ہے۔

(۴) حضور نے فرمایا کہ وہ شخص اہل جنت میں جائے گا۔ جو نیت خالص سے اور خدا کا حکم سمجھ کر صدقہ کرے۔ اور یہ عمل فی سبیل اللہ ہے۔ اور میزان میں تولنے کے لئے پلہ بھی صدقہ رکھا جائے گا۔

(۵) بخاری اور مسلم دونوں میں بدیں الفاظ حدیث شریف مذکور ہے۔
انک لن تنفق نفقۃ تبتغی بہا وجہ اللہ الا اجرت بہا حتی اللقمۃ ترفعہا الی فی امراتک (متفق علیہ)

حضور فرماتے ہیں۔ جو کچھ تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرے گا۔ اس کا اجر پائے گا۔

یہاں تک کہ اس لقمہ کا اجر بھی پائے گا۔ جو تو اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں رکھتا ہے۔ حکمت عیال پر خرچ کرنے کی تاکید اس لئے آئی ہو کہ یہ فرض ہے۔ اور باقی تمام صدقات سوائے زکوٰۃ کے نفل ہیں۔ اور زکوٰۃ بھی تب فرض ہوتی ہے۔ جب کہ اس کا مال حد نصاب تک پہنچے۔ اور پھر مختلف مالوں کا نصاب مختلف ہے۔

پھر

اس پر ایک سال بھی گزر جائے۔ ورنہ زکوٰۃ مسکین، غریب، محتاج پر نہیں ہے۔

حکیم امت کی سیاست اس طرف متوجہ رہی کہ مسلمان پہلے ان کے حقوق ادا کرے۔ جو اس پر واجب یا فرض ہیں۔

بیٹیوں سے خرچ میں بھی بڑا بھاری ثواب ہے۔

عن انسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من عال جاریتین حتی تبلغا جاء یوم القیامۃ انا وھو ھٰکذا وضم اصابعہ (رواہ مسلم)

حضور نے فرمایا کہ جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے۔ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں۔ اور پھر ان کو بعد از نکاح اپنے اپنے گھر پہنچا دے۔ تو وہ قیامت کے دن میرے ساتھ اس طرح ہوگا۔ جیسے یہ دو انگلیاں (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں کو ملایا)

(۲) دوسری حدیث شریف میں ہے۔ کہ جو شخص بیٹیوں کی پرورش کرے۔ اور اسکی آزمائش اللہ تعالیٰ اس محنت و مشقت پر کرے۔ لیکن وہ صبر کرے۔ تو یہ بیٹیاں قیامت کے دن دوزخ کی آگ کے لئے اس کو پردے کا کام دے گی۔ اور جنت اس کے لئے واجب ہو جائے گی۔

(۳) اس کے لئے عابد روزہ دار، اور قیام کرنے والے کے، برابر ثواب ہوگا۔

(۴) ترغیب میں روایت ہے کہ حضور نے فرمایا۔ جو شخص تین بیٹیوں کو ان پر ترجیح نہیں دیتا۔ اور بیٹیوں کو حقیر اور ذلیل نہیں جانتا۔ تو اللہ اس کو ان کی پرورش کی وجہ سے جنت میں داخل کرے گا۔

ایک صحابی نے عرض کی کہ حضور کیا دو لڑکیوں کی پرورش میں بھی ثواب ملتا ہے۔ حضور نے فرمایا۔ دو پر بھی ثواب ملتا ہے۔ پھر اس صحابی نے عرض کیا کہ کیا ایک پر بھی اجر ملتا ہے۔ فرمایا کہ ایک پر بھی یہی اجر ملتا ہے۔

نوٹ

حکیم امت صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکیوں پر خرچ کرنے کی اتنی تاکید کی ہے۔ تو اس کی فلاسفی یہ ہے۔ کہ زمانہ جاہلیت میں عرب، کے بعض قبیلے اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ تو جب آفتاب نبوتؐ نے ضیا پاشیاں کیں۔ تو دیگر بری رسموں کے ساتھ

ساتھ اس دختر کشی کی رسم کا بھی قلع قمع ہوا۔

یہ تو ایک خاص وجہ تھی۔ جس کا تعلق حضور علیہ السلام کے زمانہ ہی کے ساتھ تھا۔ لیکن اگر غور کیا جائے۔ تو عام فلاسفی بھی موجود ہے۔ از روئے استحقاق و مظلومیت یہ ہماری توجہ کے زیادہ قابل ہیں۔ ان کی عصمت کا تحفظ، ان کے لئے پردے، اور ستر کی واجبیت یہ سب باتیں بتا رہی ہیں۔ کہ وہ شفیق امت حضرات امت کا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ اور یقیناً نسل انسانی میں اناث و ذکور سے کمزور ہیں۔ تو کمزور ہی زیادہ قابل توجہ ہے۔

دوئم آنکہ اگر ان کی تربیت اور نشو و نما اسلامی طریق پر ہو تو آئندہ نسلوں جن میں ذکور بھی ہوں گے۔ اور اناث بھی۔ وہ مہذب اور صالح ہو سکتے ہیں۔ ان کو جاہل رکھنا، دینی تعلیم سے ناآشنا، اور اسلامی احکام سے بے خبر رکھنا، ان کی باقاعدہ پرورش نہ کرنا، ان کو بیٹوں سے کم سمجھنا، ان کی ولادت پر افسوس ظاہر کرنا، اور ذکور کی ولادت پر ناجائز رسوم سے خوشیاں منانا، یہ سب ایسی باتیں ہیں جو قیامت کے دن حضور کے دربار میں پیش ہونے کے وقت اپنا وبال دکھائیں گی۔ اور دنیا میں ان کا خمیازہ بھی اٹھانا پڑے گا۔ جیسا کہ ادھر بیان کر دیا گیا ہے۔ جہاں تک نزول وحی عرب کے مسلمانوں کے لئے بالخصوص اور باقی عام مسلمانوں کے لئے بالعموم تھا۔ اب آگے آنے والی آیت کا شان نزول یہ ہے۔ کہ وہ بالخصوص اہل کتاب ہی سے ایمان لانے والوں کے حق میں اتری۔ اور فرمایا کہ

والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک،

ترجمہ:۔ اور متقی وہ لوگ ہیں۔ جو ایمان لاتے ہیں۔ اس کتاب پر جو آپ پر اتاری گئی۔ اور جو آپ سے پہلے اتاری گئیں۔

ربط

پہلے اللہ تعالیٰ نے متقین کی تعریف میں ضروری ضروری لوازمات بتا دیئے۔ اور ایمان کی شق میں اللہ تعالیٰ نے عام مومن بہ امور بتائیے مثلاً ملائکہ ذات باری، حشر و نشر وغیرہ، اب یہ خاص امور ہیں۔ جو کہ قوت نظریہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یعنی وہ لوگ بھی متقی ہیں۔ جو آپ پر اتاری ہوئی کتاب اور اس سے ماسبق کی کتابوں پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ بے شک یہ متقی ہیں۔

فصاحت اور بلاغت

فصاحت اور بلاغت کا ایک مشہور شعار یہ ہے کہ پہلے عام امور جتلا کر پھر خاص امر کو جو کہ ضروری سمجھا جاتا ہے۔ جداگانہ طور پر بعد میں ذکر کر دیا جائے گا۔

ترکیب

الذین موصول ہے (ثانی)

ما انزل الیک معطوف علیہ ہے اور

ما انزل من قبلک معطوف

پھر یہ دونوں جملے یومنون کا مفعول ہوئے۔

یومنون فعل با فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر الذین ثانی کا صلہ ہوا۔ پھر موصول اور صلہ مل کر الذین پر عطف ہوا۔ یہ ترکیب اس لئے ذکر کر دی گئی ہے۔ تاکہ ربط کی کڑیاں متحقق اور معلوم ہو جائیں۔

ما انزل الیک کی تشریح

ما انزل الیک عام ہے۔ یعنی دونوں قسم کی وحی اس میں شامل ہے۔ یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیئے۔ کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ایک وحی اس طرح پر تھی۔ کہ جبریل کے واسطے سے یہ وحی نازل ہوتی تھی۔ اور وہ الفاظ مقررہ میں ادا ہوتی تھی۔ اس کا نام وحی متلو ہے۔ اور اسی کو قرآن کہتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

شرح قصیدہ بردہ شریف

(مسلسل)

بلکہ تیری روح اور تیرا جسم زندۂ جاوید ہیں۔ روح اس لئے کہ تیرا تخیل عشق احمدی میں محو اور جسم اس لئے کہ اس پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورانی ہاتھ پھیرے تھے۔ جیسا تو نے خود کہا وَمَسَّ یَدَہٗ صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ اعضائی الحقیر تو نے نہیں بلکہ شارحین متصوفین نے تیرا راز عشق و محبت طشت از بام کر دیا۔ تو نے چھپانا چاہا۔ لیکن دیگر عشاق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو تیرے راز کے محرم تھے۔ اور ان میں سے ایک اس مجلس میں موجود بھی تھا۔ جس میں تو نے عین عنایت کو پایا۔ جب تو جھوم رہا تھا۔ اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سرور اور کیف سے جھوم رہے تھے۔ تو وہ بھی جھوم رہا تھا۔ اور اس کا نام شیخ ابوالرجا تھا۔ یہ حقیقت بھی تو نے خود بیان کی۔ تیری روح پر ہزار ہا رحمتیں سرمدی نازل ہوں۔ جو تو نے ہم کو یہ سبق دیا۔ کہ جس کے دل میں دنیا و مافیہا کی محبت کا ناسور ہو۔ اس کا علاج خاک شفا نعلین مصطفیٰ ہے۔ یا عین عشق مصطفیٰ ہے۔ جو باطنی تو در کنار ظاہری امراض مثلاً فالج یا برص کے لئے بھی عین شفا ہے

دنیا کی تمام ادویہ اور معالجین کے تمام علاجوں سے مایوس ہو کر تو نے در حبیب پر جبہ سائی کی۔ اور ایک نسخہ کی تلاش میں فصاحت و بلاغت کو قربان کر دیا

نہ کلیم کا تصور نہ خیال طور سینا کوئی غلط جملہ لے کے مجھے چھوڑ کے مدینہ
نہ کلیم سے شکایت نہ آرزوئے سینا میری آرزو محمد میری جستجو مدینہ

فقط چوتھے شعر کا بیان ختم ہوا۔

لَوْلَا الْهَوٰى لَمْ تُرِقْ دَمْعًا عَلٰى طَلَلٍ۔ وَلَا اَرِقْتَ لِذِكْرِ الْبَانِ وَالْعَلَمِ۔ بیت نمبر (۵) فصل پہلی

حل لغات

لَوْلَا۔ لولا شرط کے واسطے آتا ہے۔ اگر نہ ہوتی۔

(۱) الھوی۔ محبت عشق۔ یہ لفظ محبوب کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور ہوا۔ غیر مشروط خواہش کے لئے بھی۔ (۳) لَمْ تُرِقْ۔ تو ہرگز نہ بہاتا۔ اراق۔ گرایا بعد اس میں حرف (یا) کا حذف واقع ہوا ہے۔ کیونکہ لم اس کا عامل ہے۔ جو مضارع کو جزم دیتا ہے۔

(۴) دَمْعًا۔ آنسو۔ یہ اسم جنس ہے۔ اور اس کا واحد دمعۃ آتا ہے۔ (۵) طَلَلْ۔ ٹیلے، کھنڈرات، یہ کھنڈرات عمارت کا پتہ دیتے ہیں۔ جو کہ اب خراب ہو چکی ہے۔ پس ان سے مراد مجازاً مکہ مکرمہ لی جا سکتی ہے۔ کیونکہ اس کی معموریت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی۔ جب حضور نے ہجرت فرمائی۔ تو اس کی معموریت خراب ہو گئی۔

(۶) ذکر۔ یاد۔ یہ مصدر ہے۔ اس کا مضاف محذوف ہے

کہ اَجل (بمعنی واسطے) کے ہے۔

اور اس کا پہلا مضاف الیہ اپنا محذوف ہے۔ چونکہ کاف خطاب ہے۔ تو لفظ کا ترکیب یوں ہوا۔

لِاَجْلِ ذِکرِکَ البَان درخت صنوبر کو یاد کرنے کی وجہ سے محبوب کے قد کی تشبیہ اور لطافت اسی درخت کے ساتھ دیتے ہیں۔

(۶) **العلم** ۔ مکہ مکرمہ میں ایک بلند پہاڑ ہے۔

(۷) **ولا اَرِقْتَ** ۔ اور تو راتوں کو بیدار نہ رہتا۔ یہ معطوف ہے۔ **لَمْ تُرِقْ دمعاً** پر اور اسی طرح علم معطوف ہے۔ بان پر۔

(ب) حل ترکیب

لَولا الهویٰ موجودٌ فی قلبک المضطرمِ لَمْ تُرِقْ دَمْعاً علیٰ طللٍ ولا اَرِقْتَ لِاَجلِ ذِکرِکَ البانِ والعلم

ج ترجمہ ۔ اے عشق و محبت کے راز کو چھپانے والے اور انکشافِ محبت سے انکار کرنے والے اگر یہ مرضِ تیرے اندر موجود نہ ہوتا۔ تو تو محبت کے قابلِ قدر آنسو حقیر کھنڈرات پر نہ گراتا۔ اور نہ ہی تو درخت شمشاد یا صنوبر کے ذکر اور علم پہاڑ کے ذکر سے مضمحل ہو کر راتوں کو بیدار نہ ہوتا۔

نکات متعلقہ علم بیان و منطق و فصاحت و بلاغت و بدائع و صنائع

(۱) **لولا الهویٰ** ۔ اگر سلطان عشق تیرے دل کے مدینہ (شہر) میں مقیم نہ ہوتا۔ تو تو دمن و اطلال پر آنسو نہ بہاتا۔ چونکہ یادگارِ محبوب ہیں۔ اور درخت صنوبر یا شمشاد کے ذکر سے، تیرے آنکھوں سے نیند نہ اڑتی۔ یہ بھی قیاس استثنائیہ ہے۔ اور اس کے اجزا اس طرح ہیں۔ ایک مقدم اور دوسرا تالی دوسرے لفظوں میں ایک شرط و دوم جزا۔ لیکن اس جگہ تالی باطل ہے۔ یعنی جزا مقصود ہے۔ یعنی تو فی الواقع اطلال و دمن مساکن دیار پر آنسو بہا چکا ہے۔ اور علم و بان کے ذکر سے مضطرب ہو کر اپنی راتوں کی نیند کو خیرباد کہہ کر چکا ہے۔ پس مقدم بھی باطل۔ یعنی شرط بھی مفقود پس اس کی نقیض ثابت ہو گئی۔ جو کہ یہ ہے۔ کہ سب کارہائے نمایاں عشق و محبت کی وجہ سے ہیں۔ **لاکن التالی باطل فالمقدم ایضاً۔ فَثَبَتَ نقیضہ**،

بان ۔ بان درخت شمشاد یا صنوبر سے اس کا ذکر کیا۔ اور اصل میں یہ مشبہ بہ ۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قد کو اس سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ یہ اپنے خرام اور لطافت میں مشہور ہے۔ اور حضور کے قدِ مبارک کو مشبّہ قرار دیا گیا۔ مشبّہ بہ کو ذکر کر دیا۔ اور مشبّہ مراد لی۔ یہ استعارہ مصرحہ ہے۔ اسی طرح حضور کے قد کی عظمت اور رفعت منزل کو علم پہاڑ سے تشبیہ دی۔ اور وجہ تشبیہ وہاں تو خرام ناز۔ قد کشیدہ تھے۔ اور ادھر رفعت ۔ عظمت ، استقامت جبل تھے۔ اس لئے علم پہاڑ کو مشبہ بہ بنا کر اس کا ذکر تو کر دیا۔ لیکن مشبّہ حضور گرامی صفات کی ذات بابرکات کی اس سے مراد لی گئی۔ پس مشبہ کا ترک لازمی ہوا۔ اور مشبّہ بہ کا ذکر لازم ہوا۔ اے عاشق تیری نیند کو کیا ہوا۔ وہ تو "یقیناً" کافور ہے۔ چونکہ عاشق صادق تھا

عجباً للمحب کیف ینام ۔ کُلُّ نومٍ علی المحب حرامٌ

ترجمہ :۔ افسوس یہ تعجب کی بات ہے کہ عاشق سو جائے۔ عاشق پر ہر ایک قسم کی نیند حرام ہے۔ علم کے متعلق تین اقوال ہیں۔ جبل ابی قبیس ، جبل حرا اور وہ پہاڑ جس میں حضور نے ہجرت کی راتیں بسر کی تھیں۔ یعنی جبلِ ثور۔ تینوں مقامات میں سے

جس کا تعین ہو درست ہے۔ کیونکہ صرف تعین کا محل بنتا ہے۔ اور محل کا ذکر کر کے حال کا ارادہ کیا ہے۔ اور اس کو علماءِ بیان مجاز مرسل کا نام دیتے ہیں۔ من ذکر المحل و ارادۃ الحال۔ اسی طرح حضور سرور کونین اپنے اصحاب کے ساتھ بان کے درخت کے نیچے جو کہ کھجور کے قریب تھا۔ تشریف فرما کر مکالمہ کیا کرتے تھے۔ اور تقسیم الانوار کلام فیض مقام کیا کرتے تھے۔ تو اس کا ذکر کرنا ضروری اور لازمی تھا۔ یہاں بھی ذکر المحل و ارادۃ الحال کی مثال پائی گئی۔ اور اس لئے یہ بھی مجاز مرسل ہے۔ دونوں اس ضمن میں بھی آتے ہیں۔ اور دوسرے ضمن میں تحت استعارہ مصرحہ بھی وارد ہیں۔

نکاتِ تصوف و انبساطِ فیضان و بیانِ ذرۂ عشق آتش فشاں بزبانِ عارفان

دل مے رود ز دستم صاحبدلاں خدا را
دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا

بہ ضمن بیت نمبر (۵)

(۱) تاریخ اور حدیث سے ثابت ہے۔ کہ مکہ معظمہ کی معموریت حضور کے نقشِ قدم سے تھی۔ لیکن جب حضور پر نور شافع یوم النشور نے وہاں سے ارتحال فرمایا تو معموریت میں فرق آیا۔ اور اس کو اطلال و خربہ سے منسوب کیا۔ کیونکہ شرف المکان بالمکین۔ مکان کی شرافت مکین کی وجہ سے ہے۔ اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ، جمہور مفسرین نے اور شارح خولوقی علیہ الرحمۃ نے اپنی تصانیف میں فردا فردا لا اقسم بھذا البلد کے تحت لکھا ہے۔ کہ واو حالیہ ہو کر اپنے مستفاد پر ہے۔ یعنی مکہ مکرمہ کی قسم اے حبیب بوسیلہ اس لئے کھاتا ہوں۔ کہ اس کو تیرے خاکپائے کے احساس کا شرف حاصل ہے۔ لام قسمیہ ہوا۔ اور مکہ مقسم بہ ہوا۔ اور تعجب یہ ہے کہ قسم کھانے والا خود ذاتِ باری۔ تو جب اس قدر شرف اس کو حاصل ہوا۔ کہ معرضِ قسم باری بنا۔ تو پھر حضور اس کو چھوڑ کر چلے گئے۔ تو فی الواقع اس پر بعد ازاں طلل و دمن و آثار و خربہ کے الفاظ کا اطلاق بالکل درست ہوا۔ لیکن چونکہ گذرگاہِ حبیب و دیارِ حبیب کے شرف سے نوازا جا چکا تھا۔ اس لئے بہ قول امراؤ القیس۔ وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِي وَلٰكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَا ترجمہ:- ان طلل و دیار و بیوت حبیب نے اپنی محبت میرے جگر میں نہیں پیدا کی۔ بلکہ محبت اس کی جاگیر ہوئی۔ جو یہاں رہتا تھا۔ نے بوصیری، عاشقِ زار کو یا اپنے ہی نفس کو دوسری نوع کی دلیل دیتا ہے۔ اور یاد دلاتا ہے۔ کہ اماکن اور کھنڈرات پر رونا، اماکن اور طلل کے لئے نہیں بلکہ بقول شارح بردہ عارف شیخ زادہ تو اے عاشقِ زار ہو اماکن اور طلل میں کسی کو دل دے بیٹھا ہوا ہے۔ عاشق کچھ نہیں چاہتا مگر وصلِ حبیب اور مریض کچھ نہیں چاہتا۔ مگر لقائے طبیب، اے قابلِ رحم ہستی۔ آنکھ تیری غمازی کرے۔ دل محبت کے چراغ جلا کر اپنے خاشاک اور صبر کی کھیتی کو جلا دے۔ اور وا حسرتا و اعجبا تو اب بھی انکار کرے۔ تیرے محرم راز تیرے ساتھ تیری تکذیب کریں۔ اور تیرے کتمان اسرار کے بخیہ کی دھجیاں اڑا دیں۔ اور تو اب بھی انکار کی نفیری بجائے۔ یہ کیا ستم ظریفی ہے۔ اور طرفہ یہ ہے کہ جب شمشاد و صنوبر، مکہ و جبل ابو قبیس و ثور و حرا کا ذکر آئے۔ تو تیری نبض کی رفتار تیز ہو جاوے۔ دل کی دھڑکن بناتِ انصار کے دف کی مانند ہو جائے۔ اور تو زبانِ حال سے الغیاث، الغیاث پکارے۔

عشق آتش مے فروزد دم بدم بر جانِ ما
یا غیاث المستغیثین بر کشا در جانِ ما!

یہ عبارت اور یہ تحریر ان تمام تقاریر و تحریرات کا خلاصہ یا لب لباب ہے۔ جو کہ ان شارحین قصیدہ بردہ کے تراجم کو بام مقاصد و افہام پر لاکر، خراج تحسین و آفرین حاصل کرنے کے لائق ہے۔ جو کہ زخم خوردہ تھے۔ اور جنہوں نے نبیؐ کے عشق کے کاسہ کرام سے جرعات نوش کئے تھے۔ اور آگے بھی وہی اقتباس اور وہی بخاری در آمد ہے۔ الفاظ اپنے لیکن مشہد و مظہر ان کا ہے۔ اسی ضمن میں ہم دو قدم اور آگے جاتے ہیں۔ اور اس گلستان و بلبل و گل و ریحان کی سیر اپنے قارئین کرام کو کراتے ہیں۔ صوفیا علما و شارحین و عاشقین قصیدہ بردہ کا ایک جگہ موضوع یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ مکہ معظمہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ خالق لایزال کی قسم کا مورد بنا اور ایسا مورد کہ لام قسم و تاکید کے ساتھ، تو اے عاشق زار یہ تیرے محبوب کا مولد تھا۔ اسکی گذرگاہ اور سیر کا مقام تھا۔ جبتک اس کے بان و علم و صحرا و جبل و [illegible] تیری آنکھ کے خون بار [illegible] کے محرکین ہیں۔ [illegible] کیونکہ جمہور فقہا۔ و جمہور مفسرین و جمہور محدثین کا پختہ قول ان کی تصانیف میں فرداً فرداً باوجود زمانے کے گذر جانے ان کے قلم سے اس طرح ظاہر ہوتا ہے۔ لا اقسم بهذا البلد وانت حل بهذا البلد حيث استفيد منها ان كون مكة المكرمة لائقةً لكونها مقسماً به لله تعالى لاجل حلول النبي عليه السلام فيها۔ فبعد هجرته عليه السلام كانت الآثار الباقية الحاصلة في مكة المكرمة۔ الآن هي آثار الحضرة معنىً ولذا اتفقوا على ان التراب الماس لبدن رسول الله صلى الله عليه وسلم في قبره الشريف افضل الامكنة واعظمها "

ترجمہ: جب مکہ مکرمہ مقسم بہ للہ ثابت ہوا۔ تو صرف اسی لئے کہ اس کو بوسیدن خاک نعلین مصطفٰے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ لیکن یاد رکھنا اور کبھی نہ بھولنا کہ حضور کی ہجرت کے بعد وہ آثار اور کھنڈرات ہمیشہ کے لئے اس میں موجود ہیں۔ اب وہ ہجرتِ مصطفٰے کے بعد حضوری سے دور ہو کر آثارِ حضرت سے موسوم ہیں۔ اور اسی لئے تمام علما۔ تمام محدث۔ تمام مفسرین۔ تمام رازداراں و رازدانایان شرح مصطفٰے کبھی امر پر اس طرح متفق نہیں ہوتے جس طرح اس امر پر کہ وہ ارض پاک یا تراب مقدس جو کہ حضور کے بدن مبارک کے ساتھ چٹائی اور بوریائی کے دوجانبوں سے مس کر رہی ہے۔ یا جسدِ اطہر کے بوسے لے رہی ہے۔ اپنے روضہ منورہ میں یعنی مدینہ کی بستی میں۔ تو وہ بالخاصہ اور بالعامہ۔ ظاہراً و باطناً، معنیً و سراً، منقولاً و معقولاً۔ درایۃً و روایۃً اور ربع مسکون کے تمام اماکن اور تمام مساکن سے بدرجہا بلند شان و عالی مقام ہے۔

لفظی ترجمے کے ساتھ یہ الفاظ زائد نہیں ہیں۔ کیونکہ قصیدہ بردہ کی ایک شرح نہیں بلکہ لاتعداد و بے شمار ہیں۔ اور ان سے استنباط کرنا اپنے قاصر ہونے کا ثبوت اور پھر جب موجودہ آوان میں نہ حرکت ہے نہ برکت ہے۔ ہاں اگر برکت ہے تو اسی ذکر سے اور اگر حرکت ہے تو محرک کون۔ نہ عشق مصطفٰے بلکہ طوقِ غلامی ذاتِ مصطفٰے ہے۔ وہ کونسا دل ہے۔ جو ذکرِ زلفِ حبیب سن کر وجد میں نہ آئے۔ اور وہ کونسا قلم ہے۔ جو گلشن محمدی کے اظہار راز سر کے شمار میں نویسندۂ کیف نہ ہوا ہو۔ کیا ہم اس میدان شہود و نمود میں اکیلے ہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ اسکی تردید بالعموم مفہوم شعر حافظ سے موجود ہے

ز حسن بر آں عارض گلگوں غزل سرائم و بس
کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار انند بصبا (خواجہ حافظ شیرازی)

باقی آئندہ

ہماری فخریہ پیشکش

غذائیت سے بھرپور

میدہ

سوجی ۔ چوکر ۔ آٹا

ہر وقت دستیاب ہے

بلور فلور اینڈ جنرل ملز لمیٹڈ

چارسدہ روڈ ۔ پشاور ۔ فون نمبر ۲۵

بلور بلڈنگ ۔ بازار دالگراں ۔ پشاور ، فون نمبر ۳۶۴۹

گرام : RICE ٹیلی گرام : "البشیر" فون نمبر ۲۲۸۸

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا

سید مجتبیٰ شاہ صاحب رضوی پشاوری

سورۂ فاطر کی مذکورہ آیۂ مجیدہ میں علمائے اسلام کا ذکر اپنے خاص بندوں کے طور پر بڑی تفصیل اور نشانیوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح ارشاد فرمایا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ ،

کیا تم چشمِ بصیرت سے نہیں دیکھتے کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے (اور کیا یہ بات تمہارے لئے دعوتِ نظر نہیں) کہ اللہ پھر زمین سے نباتات اور پھل اگاتا ہے جن کا طریقِ روئیدگی تو ایک جیسا ہوتا ہے۔ لیکن رنگا رنگ اور مختلف ذائقوں کے ساتھ (اور کیا یہ باعثِ تفکر نہیں) کہ اللہ نے پہاڑ بنائے ہیں جن میں طبقات ہیں، کوئی سفید ہیں اور کوئی سرخ اور سیاہ ترین اور کیا یہ نظارہ باعثِ حیرت نہیں؟ کہ انسان، رینگنے والے جاندار اور چوپائے (اس کارگاہِ حیات میں کس طرح تخلیق کے عالم آرا قانون کے مطابق ارتقا کی منزلیں طے کر رہے ہیں) لیکن میرے بندے اس کارخانۂ آب و گِل کی بوقلمونیاں دیکھ کر خوف و حیرت سے لرزہ براندام ہو جاتے ہیں اور اللہ غالب اور بخشنے والا ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ اک عالمِ علمِ ہیئت یہ بخوبی جانتا ہے کہ کس طرح بادل بنتے ہیں اور پھر اپنے ہزاروں ٹن پانی کو اٹھائے ہوئے میلوں سفر کرتے ہیں اور پھر معینہ جگہ پر موسلا دھار برسا کر غائب ہو جاتے ہیں۔ اک عالم علمِ نباتات ہی جان سکتا ہے کہ اک بیج کے گرد اگرد اللہ کے مزدور ریکٹیریا صورت گری اور مصوری میں لگاتار مصروف ہیں۔ اک عالمِ علمِ جمادات کا ہی حصہ ہے کہ وہ برسوں محنت و تجربہ سے اُن معدنیات کو کھینچ لاتا ہے جن سے قافلۂ انسانیت کی راہیں آسان ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح اک عالمِ علم الابدان۔ اک نفسِ واحدہ کے بطون میں جہانِ اصغر کو چھپا ہوا دیکھ کر حیرت و استعجاب کی تصویر بن جاتا ہے۔

آئیے ہم اسی صداقت کو تاریخ عالم کے آئینہ میں تلاش کریں کہ وہ کون سے درخشندہ چہرے تھے، جن کی جبینِ پرشکوہ پر کلاہِ علم و فضیلت سے مرعوب و مسحور ہو کر غیروں نے صدیاں اُن کے نامِ نامی سے معنون کی ہیں۔

سرِ خدا کہ عارف و زاہد کسے نہ گفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

عظیم مصنف جارج سارٹن جس نے اپنی معرکۃ آرا کتاب، مقدمۂ تاریخ سائنس میں اپنی نادر علمیت و نایاب بصیرت کے ساتھ، تصورات کے ارتقا اور لوگوں کے ذہنوں کی وسعت اور پھیلاؤ کا حال ایک خاص اہتمام کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جو چین، ایشیا اور یورپ

سے لے کر آئرلینڈ تک کے تمام علاقوں میں پایا جاتا ہے یہ حالات ہو مر سے شروع ہو کر تاریخ کے کوئی دو ہزار برس کا زمانہ اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں اور ان کا سلسلہ تیرہویں صدی عیسوی تک پھیلا ہوا ہے۔ اس عالمگیر علمی جائزے میں، عرب مسلم تہذیب کے ذہنی کارناموں کو اولین درجہ میں رکھا گیا ہے۔ نصف نصف صدی کے وہ دور جن میں ان کا بیان منقسم ہے، ان مفکرین کے نام سے منسوب ہیں، جنہوں نے خیالات کے عروج و ارتقاء میں ان ادوار کو ممتاز کیا ہے۔ ان میں بہت سے دور عرب سائنس دانوں اور فلسفیوں کے نام نامی سے موسوم ہیں۔

آٹھویں صدی میں جب کہ عربوں کو صحرا چھوڑے ہوئے بہ مشکل سو برس کا زمانہ گذرا ہوگا۔ عراق اس عہد کی ذہنی ترقی کا سب سے بڑا مرکز بن چکا تھا۔ نئے عرب معاشرے کی پُرشباب اور بھرپور قوت کی بدولت سائنس اور علوم اپنے گوناں گوں اور دور دراز مخزنوں سے کھنچ کھنچ کر بصرہ، کوفہ اور بغداد کے نوتعمیر شہروں میں چلے آرہے تھے۔ مذکورہ کتاب میں اس صدی کا نصف دوئم

جابر بن حیان

کا عہد ہے۔ جو یورپی قرونِ وسطیٰ کی نیم افسانوی شخصیت کے علاوہ زمانۂ وسطیٰ کے عظیم ترین سائنسدانوں میں شمار ہوتا ہے۔ روایات و توہمات کا جو گھٹاٹوپ جنگل اس کی شخصیت اور تالیفات کو ڈھانپے ہوئے ہے اس کے اندر سے ایک عالی سائنٹیفک دماغ کا کھوج لگایا جا سکتا ہے۔ جس نے ابتدائی عہد کے کیمیا دانوں کی بہ نسبت تجربے کی اہمیت بہت زیادہ واضح طریقے پر تسلیم کی ہے اور کیمیاوی تحقیقات کے طریقوں پر نہایت معقول خیالات پیش کئے ہیں، جابر کا اثر پوری کیمیا گری اور علم الکیمیا کی پوری تاریخ میں نمایاں ہیں۔

الخوارزمی

ابو محمد بن موسیٰ الخوارزمی متوفی ۲۳۲ھ ہجری جو تمام زمانوں کے عظیم ترین ماہرین ریاضی میں سے ہے اور جس کے نام سے (ALGORISM) مشتق ہے۔ نویں صدی کے نصف اوّل کو اپنے نام نامی سے ممتاز کرتا ہے۔ اس کا ریاضیاتی تصور عہد وسطیٰ کے تمام مصنفین سے زیادہ وسیع پیمانے پر اثر انداز ہوا ہے۔ الخوارزمی نے ہندو نظام شمار کو وسیع تر اور موزوں تر انداز میں استعمال کیا ہے، وہ الجبرا جیسے کامل ترقی یافتہ علم کے بانیوں میں سے ہے۔ یہ دور بغداد کی ذہنی تابناکی کا دور تھا۔ جو اسے روشن دماغ خلیفہ مامون کے عہد میں میسر آیا تھا۔ مامون نے سائنس کی جو اکیڈمی قائم کی تھی اس کا مقابلہ وسعت اور اہمیت کے اعتبار سے عجائب خانہ سکندریہ سے کیا جا سکتا ہے۔ جس کی بنیاد تیسری صدی عیسوی میں رکھی گئی تھی۔ مامون نے مخطوطات کی باقاعدہ تلاش کے لئے اپنے قاصد دور دراز روانہ کئے اور اس عہد کے چوٹی کے فاضل اشخاص کو یونانی علوم کے خزانے عربی میں منتقل کرنے پر مامور کیا۔ ریاضیات، فلکیات اور طب کے علوم میں متعدد بار اضافہ کیا۔ سفروں اور تجارتی سرگرمیوں کی بدولت علم جغرافیہ میں بیش قیمت اضافہ ہوا۔ ان بہت سے درخشاں لوگوں میں سے

جن سے اس عہد کی تزئین ہوتی ہے۔

الکندی

ابو یعقوب الصباح الکندی متوفی ۲۵۶ھ فلسفی الکندی کی شخصیت بہت نمایاں نظر آتی ہے۔ ۲۷۰ تالیفات ان سے منسوب ہیں جو ریاضیات، فلکیات، معالجات، طبیعات، موسیقی، فلسفہ اور جغرافیہ سے بحث کرتی ہیں۔ ان کی کتابوں کا ترجمہ ازمنۂ وسطیٰ کے سب سے بڑے مترجم جیرارڈ باشندہ کریمونہ نے کئے تھے۔ یورپ کے دور نشاۃ ثانیہ کے ایک فلسفی کارڈن نے الکندی کو اُن بارہ عظیم الشان اشخاص میں سے ایک شمار کیا ہے جو سب سے زیادہ نکتہ رس اور دقیقہ سنج تھے۔

رازی

نویں صدی کا نصف دوئم ابوبکر محمد بن ذکریا الرازی متوفی ۳۲۰ یا ۳۱۱ ہجری کے نام نامی سے منسوب ہے جو یورپ میں لاطینی نام — رازس (Rhazes) کے نام سے مشہور ہے "الرازی کو اس کے ہمہ گیر علم اور سریریاتی (Clinical) مشاہدات کی صحت کی وجہ سے تمام زمانوں کے اکابر اطباء میں شمار کیا جاتا ہے، یونانی عربی طب سے متعلق اُس کی دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) الحاوی یا کتاب جامع لاطینی ترجموں کی شکل میں کئی بار چھاپی گئی، یورپی علم طب پر اس کا بڑا اثر رہا۔ خسرہ پر اس کا رسالہ الجدری والحصبہ ان دونوں بیماریوں کا سب سے واضح بیان پیش کرتا ہے۔

جس کا ترجمہ لاطینی زبان میں کئی بار ہوا، اس کے بعد کئی دوسری زبانوں میں بھی کیا گیا۔ جس میں انگریزی بھی شامل ہے۔ یہ ترجمہ ۱۴۹۸ء اور پھر ۱۸۶۶ء کے درمیانی زمانہ میں تقریباً چالیس مرتبہ ہوا۔ اُس کی بیاض کے مجربات جس میں وہ اپنے مریضوں کی تدریجی صحت یابی کا حال بڑی احتیاط سے بیان کرتا ہے، ابھی تک محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ اُس نے جتنے علوم کا مطالعہ کیا ہے اس پر اپنے بیش قیمت نوٹس دیئے ہیں۔ جس میں اُس کی تجرباتی روح کارفرما نظر آتی ہے۔ نویں صدی عیسوی جارج سارٹن کے بیان کے مطابق مسلم صدی ہے۔ جس کا سبب مسلمان فضلاء و سائنس دانوں کی تالیفات کی مہتات ہے جو دوسری قوموں کی ہر تالیف و تصنیف پر فوقیت رکھتی ہیں۔ مذکورہ کتابوں کا یہ تفوق دسویں صدی کے دوران تک جاری رہا۔ دوسری زبانوں یعنی لاطینی، یونانی اور عبرانی میں جو کتابیں لکھی گئیں اُن میں ایسی چیزیں بہت کم ہوتی تھیں جو نئی ہوں، تمام نئے انکشافات اور جدید خیالات عربی میں شائع ہوتے تھے، جو سائنسی ترقی کا بین الاقوامی وسیلہ تھی۔ جارج سارٹن نے دسویں صدی کے نصف کو مورخ و ماہر جغرافیہ دان

المسعودی

کے نام نامی سے موسوم کیا ہے جو عربوں کا پلینی (Pliny) ہے اور اس صدی کے نصف دوئم کو فلکی و ریاضی دان

ابو الوفا

ابو الوفا محمد بن محمد البوزجانی بن یحییٰ البوزجانی الحاسب ۳۸۸ سنہ ہجری سے منسوب کیا ہے۔ یہ صدی حیرت انگیز فلسفیانہ عملیت کی صدی تھی۔ اس عہد کا چوٹی کا فلسفی

الفارابی

ابو نصر محمد بن اوزرنع بن طرخان الفارابی متوفی ۳۳۹ھ تھا جو معلم اول ارسطاطالیس کے بعد معلم ثانی کے نام سے مشہور رہے۔ علم کے دو بڑے مجموعے اسی عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔ مفاتیح العلوم مؤلفہ ابو محمد بن احمد بن یوسف الخوارزمی سنہ ۳۶۵ تا ۳۸۷ھ یہ دوسرا خوارزمی ہے۔ اور رسائل اخوان الصفا۔ یہ دونوں تالیفات اس عہد کے علوم پر بھاری تھیں۔ اس کے علاوہ ایک دلکش کتاب الفہرست، اُن کتابوں کی فہرست ہے جو ایک بہت بڑے سیاح اور تاجر کتب ابن الندیم کے علم میں آئی تھیں۔ الفہرست ذہنی کارناموں کا ایک اثر انگیز ریکارڈ ہے اور ساتھ ہی ہمارے نقصان کی ایک رنج افزا یاد دہانی ہے۔ کیونکہ بہت سی ایسی کتابیں جو اس کے مؤلف کو معلوم تھیں، اب موجود نہیں ہیں، یا ابھی تک مکمل طور پر نہیں ملی ہیں یا اپنی اصلی ہیئت میں نہیں پائی جاتیں۔ دسویں صدی کا زور پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ گیارہویں صدی میں نمایاں نظر آتا ہے جو ازمنہ وسطیٰ کے انتہائی عروج کا زمانہ ہے۔ اسلام انسانیت کے مقدمتہ الجیش میں تھا۔ لوگوں کے دوسری ثقافتوں سے نکل کر عرب مسلم تہذیب میں داخل ہونے کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی یخ بستہ سائے سے کھلی دھوپ میں آجائے، یا کسی سوئی ہوئی دنیا سے ایک زبردست فعال و متحرک عالم میں پہنچے اس صدی میں بڑے اور عالی شان زعماء کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ سارٹن اپنے دور کے لئے ان مساوی درجے کے ممتاز اشخاص میں سے کسی کا انتخاب کرنے میں الجھن محسوس کرتا ہے۔ وہ گیارہویں صدی کے نصف اوّل کو بڑی مشکل سے

البیرونی

ابو ریحان محمد بن احمد البیرونی متوفی سنہ ۴۴۰ھ سے منسوب کرنے کا فیصلہ کرتا ہے، جو بقول اس کے اسلام کے سب سے بڑے سائنس دانوں میں سے ایک ہے اور سب باتوں پر غور کرنے کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ البیرونی تمام زمانوں کے عظیم ترین لوگوں میں سے ایک ہے۔ اس کا علم وہ جامع اور ہمہ گیر تھا۔ وہ فلسفی بھی تھا، ماہر ریاضی بھی۔ فلکی بھی تھا، جغرافیہ دان اور زبردست سیاح بھی۔ اس کا دائرہ معلومات جتنا وسیع تھا اس سے بھی زیادہ اہمیت اس کے جدید علمی طریق کار کو حاصل تھی۔ اس کا طریق انتہائی تنقید و تحقیق پر مبنی تھا۔ اس نے اپنی فکر رسا کی ناقدانہ دسترس سے کام لیا اور اپنی ثقافت کے علاوہ اس نے دوسری ثقافتوں کے ساتھ بڑی رواداری برتی۔ اس کی ایسی صداقت، دوستی اور ذہنی حوصلہ مندی ازمنہ وسطیٰ میں نادر تھی۔ جو ہمارے زمانے میں بھی عام نہیں ہے۔ بیرونی کے دو بڑے معاصر تھے جو خود اسی کی طرح بڑے عظیم تھے۔ اُن میں سے ایک حسن بن حسن بن الہیثم

المتوفی ۴۳۲ سنہ ہجری ہے جو لاطینی میں الہیزن (Alhazen) مشہور ہے۔ یہ سب سے بڑا مسلمان طبیعیات دان تھا۔ اور تمام زمانوں کے سب سے بڑے اطبائے بصریات میں سے تھا۔ اُس کی خاص تالیف کتاب المناظر نے یورپی سائنس پر بڑا اثر ڈالا۔ خصوصاً راجر بیکن اور کیپلر کو بڑا متاثر کیا۔ مذہبی اور فعلیاتی بصریات یعنی فزیالوجیکل میں اُس کی تحقیقات کو نہایت ممتاز مقام حاصل تھا۔ البیرونی کا دوسرا ہمعصر

ابن سینا

ابو علی حسین ابن عبداللہ ۴۲۸ سنہ مشہور ابن سینا۔ جو یورپ میں (AVICENNA) کے نام سے مشہور ہے جسے آج کل کی علمی اکاڈمیوں میں ماسٹر آف فلاسفی اور خداوندِ ادویات کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس عہد کا سب سے بڑا طبیب، فلسفی اور تمام زمانوں کے عظیم ترین لوگوں میں سے تھا۔ معلم ثانی الفارابی کی طرح اُسے رئیس العلوم کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اُس کی دو بڑی تصانیف کتاب الشفاء اور القانون ازمنۂ وسطیٰ کے کمالِ فکر کی آئینہ دار رہیں۔ القانون کا اثر یورپی طب پر اس قدر تھا کہ اُسے طب کی انجیل کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ جو آج تک یورپ اور امریکہ سے خراج تحسین حاصل کر رہی ہے۔ اس کے تراجم اور طباعت ہزاروں بار ہوئی اور تقریباً دنیا کی تمام مشہور زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے اس کے بغیر طب کی تعلیم مکمل ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ گیارہویں صدی کا نصف دوم

عمر خیام

کا عہد ہے۔ جو اپنی رباعیات کی بدولت مغرب میں معروف و محبوب ہے۔ لیکن وہ بہترین ماہرین ریاضیات و فلکیات میں سے ایک تھا۔

اسی دور میں ابو حامد محمد بن محمد بن احمد الغزالی المتوفی ۵۰۵ سنہ بھی تھا جو اسلام کے بہترین افراد میں سے تھا۔

امام غزالیؒ

وہ ایک طبعزاد فلسفی تھا۔ اس کی ابتدائی زندگی پر علم کی تلاش و جستجو میں انتھک سعی اور حصول صداقت کی تڑپ بری طرح چھائی ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنی تلاش کے ابتدائی حصہ میں گہرے شکوک و شبہات کے تیز و تند حملوں کی بدولت اپنی جان پر بڑے عذاب جھیلے۔ اس کے عہد میں جو علوم متعدد مذہبی فرقوں اور فلسفیانہ مکاتیب کے ذریعے سکھائے اور سمجھائے جاتے تھے۔ ان پر عبور حاصل کرنے کے بعد بھی غزالی ان کے اندر تسلی و طمانیت حاصل کرنے سے قاصر رہے۔ غزالی کے زمانہ میں لفظ فلسفہ جس معنی میں مستعمل تھا اس کے اعتبار سے فلسفے کا مفہوم دینی طور پر علم کلام کے سانچے میں ڈھالی ہوئی ارسطاطالیت تھی۔ جس نے اسلامی دنیا میں نشو و نما پایا تھا۔ غزالی کی دنیا میں علم دین بڑی حد تک شریعت میں طعن آمیز سخن سازی کی ایک پوٹ بن گیا تھا۔ جو ہمیشہ بڑھتی اور پھیلتی رہتی تھی۔ اور جس کا تار و پود خدا، انسان، ملائکہ اور شیاطین سے متعلق اعتقادی بیانات کی ایک بے جان تہہ پہ بنا گیا تھا جو خود بخود مستند قرار پا گئے تھے ان دو باتوں اور بڑی حد تک ان سے وابستہ امور کے

علاوہ پیغمبر اسلام کے خاندان کا تقدس قدیم اعتقادات ہیں ضم ہوگیا تھا اور حق وصداقت کی شخصی اور معصوم آمریت پر اعتقاد رکھنے کی تحریکیں بھی ان میں شامل ہوگئی تھیں، جیسے قرامطی تحریکیں وغیرہ۔ یہ سب باتیں غزالی کے تیز اور پُرجوش دماغ کو تشفی بخشنے سے قاصر رہیں، جو خود ایک زندہ صداقت کے متلاشی تھے۔ ان کے ذاتی تفحص نے ایک طرف اُن سے بغداد کی درباری جامع میں تعلیمی کا شاندار منصب ترک کرادیا۔ نظام الملک طوسی نے مدرسہ نظامیہ بغداد کی مسند درس کے لئے امام غزالی کا انتخاب کیا تھا۔ جنہوں نے ۳۴ برس کی عمر میں اس منصب کو سنبھالا اور تقریباً ساڑھے چار برس تک درس وتدریس کی خدمت انجام دی تھی، ان ہی کا مرتب کیا ہوا کورس "درس نظامی" ہمارے مُلّائے مسجد کا اثاثہ علمی ہے۔)

دوسری طرف ایک ایسی زندگی نے اُن کو اپنی طرف کھینچا، جس کے دو پہلو تھے۔ وہ یوں کہ آپ عبادت اور نہایت سے عبادت آمیز متفکرانہ بے تعلقی کے لمحات اور اپنے پراگندہ دل ابنائے نوع کی تعلیم وارشاد کی طرف رجوع ہونے کے اوقات کو تبادل طور پر کام میں لایا کرتے تھے۔ اس طریقے سے انہوں نے اپنے آپ کو مخلص صوفیوں کی صحبت کی طرف زیادہ کھنچا ہوا پایا جو کبھی اہلِ باطن سے ملتے جُلتے تھے۔ لیکن اُن کی طرح انتشار خیال اور بے اطمینانی میں مبتلا نہ تھے۔ اس مشرب میں انہیں اطمینان قلب تو میسّر آگیا تھا۔ لیکن اُن کی تالیفات سے تجرباتی اور سائنٹیفک علمی جستجو اور تحقیق کو زبردست صدمہ پہنچا۔ اس طرح امتِ مسلمہ افلاطونی اشرافیت کا نہ صرف شکار ہوئی بلکہ تقلید جامد میں ایسی گرفتار ہوئی کہ پھر اس اُمت میں ابن رشد الفارابی، البیرونی اور کندی جیسے عہد ساز متفکر پیدا نہ ہوسکے۔ بقول برٹرینڈ رسل "اگر مسلمانوں میں غزالی پیدا نہ ہوتے تو آج سینکڑوں گلیلیو اور نیوٹن مسلمانوں میں پیدا ہوئے ہوتے۔"

گیارہویں صدی کے بعد ذہنی قیادت میں مسلمانوں کے ساتھ یورپ کی نئی نئی اختراعی قوت بھی شریک ہوگئی۔ گویا بارہویں صدی کے رہنماؤں میں مسلمان نظر آتے ہیں۔ لیکن تیرہویں صدی کے دوران میں یورپی قیادت نے اپنے حق کا دعا کیا۔ اگرچہ اب بھی فلکیات، ریاضیات، نباتات، دوا سازی اور علم طب کی کئی شاخیں، خصوصاً بصریات جیسے علوم کے کئی شعبوں میں عربوں کو استاد فن کا درجہ حاصل رہا، مسلم تہذیب پر یورپ کے انحصار کا پتہ عالی ظرف عظیم مترجم جیرارڈ قرمونوی کے اس قول سے صاف عیاں ہوجاتا ہے کہ یورپ کی ترقی بڑی حد تک مسلم ثقافت کے پھلوں کو عقل مندی کے ساتھ جمع کرنے پر مشتمل تھی۔

یہ مختصر سا خاکہ مشرقی مسلمان علمائے طبیعات کا فیروں کے جمع کئے ہوئے اثاثہ سے عبارت ہے لیکن جو مذکورہ آیت کریمہ کی معجزنما پیشین گوئی کا مظہر ہے۔

★

اسنی المطالب

فی نجاتِ ابی طالب

علامہ برزنجی فرماتے ہیں۔ کہ اس وقت کی اتباع بھی ابوطالب کو حاصل تھی۔ اس وقت نہ نماز بہیئت موجودہ۔ نہ روزہ۔ نہ جہاد۔ نہ حج نہ زکوٰۃ۔ نہ صلوٰۃ جنازہ مشروع ہوئے۔ نہ ہی یہ احکام نازل ہوئے۔ اس کا ثبوت یہ ہے۔ کہ ابوطالب نے حضورؐ سے پوچھا۔ کہ آپ نبی بن کر اللہ کی طرف سے کس چیز کے مامور ہوئے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اب تک مجھ پر یہ نازل ہوا ہے۔ کہ صلہ رحمی کی تبلیغ کروں۔ اور خدا کے سوائے کسی کی پوجا نہ کرنے دوں۔ تو اس وقت یہ چیز باقی تھی۔ لا الہ الا اللہ ، اس توحید اور صلہ رحمی کے ماسوا اور کچھ نہ تھا۔ اور یہ سب کچھ ابوطالب کو حاصل تھا۔ اس پر آگے زیادتی اس وقت تحصیل حاصل۔ لا حاصل کا معنی رکھتی ہے۔

ابوطالب کا اس قدر اتباع بھی ثابت ہے۔ اتباع بھی کی۔ اور دوسروں کو بھی اس اتباع کا حکم دیتے تھے۔ کیا آپ نے اپنے فرزند ارجمند حضرت علی کو نہیں کہا تھا۔ کہ جاؤ اپنے چچا کے بیٹے کے ساتھ نماز پڑھو

الغرض ابوطالب کو توحید اور حضور کی رسالت پر ایمان اور تصدیق قلبی دونوں حاصل تھے۔ جیسا کہ ان کے اشعار سے ثابت ہو رہا ہے۔ جو پیچھے لکھے جا چکے ہیں۔ چونکہ وفات کے وقت کا ایمان زیادہ قابل اعتبار ہے۔ اس لئے حضور صلعم نے وفات کے قریب ان سے شہادت طلب کی۔ اس وقت ابوطالب شہادت نہ دے سکے۔ لیکن گزشتہ صفحات میں ہم نے ایسے قرینے تحریر کئے۔ اور احادیث کا ذکر بھی کیا۔ جن سے یہ ثابت ہوگیا۔ کہ اس وقت کے انکار کا معنی یہ تھا کہ لوگ مجھے طعنہ دیں گے۔ کہ ڈر سے کلمہ پڑھ لیا۔ یا یہ موت سے ڈر گیا۔ یا قریش کی عورتیں طعنہ دیں گی۔ یہ چیز اس وقت عرب کے لئے بڑی عار تھی۔ خاص کر ابوطالب کے لئے۔ کیونکہ یہ خاندان دوسروں کے لئے بھی قابل فخر اور حیا ہوتا تھا۔ اور یہ لوگ کوئی ایسا فعل نہیں کیا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے چھوٹی سی چھوٹی برائی ان کی طرف منسوب کی جاسکے۔ یہ تو ظاہری عذر تھا۔ لیکن باطنی عذر یہ تھا۔ کہ وہ چاہتے تھے۔ کہ میں ظاہر میں کفار کا بنا رہوں۔ اور باطن میں حضور صلعم کا، تاکہ وہ حمایت جو میں کر رہا ہوں۔ اسکی تکمیل ہو جائے۔ اور میری وفات کے بعد کفار حضور کو شہید نہ کر دیں (معاذ اللہ) چونکہ آپ کا محبوب ترین مقصد تمام عمر یہی تھا۔ کہ میرا بھتیجا اپنے دین کی مکمل تبلیغ کر سکے۔ اور یہ تبلیغ میری وفات کے بعد بھی جاری رہے۔ اگر آپ کفار کے سامنے کلمۂ شہادت زبان پر لے آتے۔ تو کفار آپ کو بھی اذیت پہنچاتے۔ نہ وہ ریاست رہتی۔ نہ سیادت۔ نہ عزت۔ نہ رتبہ۔ نہ تولیت کعبہ۔ اور قطع نظر ان کے نبی کریم کو پہلے سے زیادہ دکھ اور اذیت پہنچاتے۔ جس کمال نصرت اور کمال محافظت کا بیڑا اٹھایا تھا۔ وہ نیست و نابود ہو جاتا۔ آپ کا مقصد فوت ہو جاتا۔ یہ ایک بحث تھی۔ دوسرا بحث علامہ برزنجی نے یہ قائم کیا ہے۔ ابوطالب کا گناہ گار مومنین کے ساتھ عذاب

یا جالا دو۔ اس کے دو احتمال ہیں۔ ایک تو یہ کہ ابو طالب نے وہ نماز ترک کی۔ جو اس وقت نازل ہوئی تھی۔ اور وہ دو رکعت صبح اور دو رکعت صبح اور دو رکعت شام کی تھی۔ کیونکہ وہ اس کے ماسوا کوئی اور قسم کی نماز طلب کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے کہا کہ مجھے شرم آتی ہے۔ کہ میری سرینیں اونچی اور نیچی ہوتی رہیں۔ اور تہجد کی نماز کو اس لئے ترک کیا۔ کہ کفار قریش کو مغالطہ ہو جائے۔ ان کی آنکھوں میں دھول ڈالی جائے۔ تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ اتباعِ محمدؐ میں محو ہے۔ تہجد بھی پڑھنے لگا ہے۔ اور نماز بہیئتِ کذائی بھی پڑھتا ہے۔ یہ سب کچھ حضور کی حمایت اور نصرت کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کیا۔ اگرچہ یہ عذر قابلِ قبول ہیں۔ لیکن یہ اس قدر محکم اور قوی نہیں ہیں۔ کہ عذاب کو روک لیں۔ ایک تو آپ کے عذاب (مع المؤمنین) کی یہ وجہ ہے۔ دوم آپ نے جو کہا تھا کہ نماز میں میری سرینیں۔ اوپر کو اٹھتی ہیں۔ تو اس قول کی بنیاد، (حسبِ ظاہر) تکبر اور فخر یہ ہو سکتی ہے۔ اور اس پر تعذیب عائد ہو گئی ہو۔ آپ کی تعذیب کی ایک اور وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ ممکن ہے کہ حضور صلعم کی بعثت کے بعد آپ پر مخلوق خدا کے کچھ حقوق ہوں۔ جو آپ ادا نہ کر سکے ہوں۔ یہاں پر ایک جملہ، معترضہ کلام میں وارد ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ ایک مبحث میں اس موجودہ رسالے سے پہلے علامہ برزنجی نے حضور کے والدین محترمین کی نجات کو ثابت کرتے ہوئے یہ ثابت کیا تھا۔ کہ آدم تک تمام افراد توحید پر قائم تھے۔ یعنی حضور کے تمام اجداد فرداً فرداً یکے بعد دیگرے تا آدم کامل موحد تھے۔

اس کے بعد نجاتِ ابی طالب کے مبحث میں حضرت علامہ، مذکور فرماتے ہیں۔ کہ حضور کے آباؤ اجداد تو موحد ہی تھے۔ لیکن آپ کے چچوں میں سے بھی کبھی کسی نے یہ کہتے ہوئے نہیں سنا۔ اور نہ آج تک کسی نے اس بات کو از روئے حدیث نقل کیا ہے۔ تاکہ اے فلاں تو ہمارے آباؤ اجداد کو کیوں گالیاں دیتا ہے۔ اور ہمارے بتوں کو کیوں گالیاں دیتا ہے۔ اور ہم میں سے کسی بزرگ کو کیوں بیوقوف کہتا ہے۔ جس طرح کہ قریش کے باقی افراد کہا کرتے تھے۔ اگر اپنے آباؤ اجداد میں سے ایسی کوئی برائی دیکھتے۔ تو یہی کہتے کہ اپنے آباؤ اجداد کا ذکرِ شر (برائی کا ذکر) چھوڑ دے۔ یہاں پر ابولہب کی عداوت کا خیال فطرتاً پیدا ہوتا ہے۔ کہ وہ بھی حضور کا چچا تھا۔ اس کی حضور کے ساتھ پھر عداوت کیوں تھی؟ اس سوال کا جواب یہ ہے۔ کہ ابولہب نے بنو امیہ کے خاندان کے ایک شخص یعنی ابوسفیان کی ہمشیرہ سے شادی کی تھی۔ جس کا نام پہلے امِ جمیل تھا۔ لیکن بعد میں حضور صلعم کی عداوت کی وجہ سے حلقۂ اسلام میں اس کا نام امِ قبیح (برائیوں کی جڑ) ہو گیا۔ اور قرآنی نام جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی غیرت کی وجہ سے رکھا۔ وہ (حَمَّالَةَ الْحَطَبِ) مشہور ہوا۔ یعنی حضور کے راستے میں کانٹے اٹھا اٹھا کر بکھیرنے والی یا لکڑیوں کو اٹھانے والی۔ پس ابولہب ابوسفیان اور اسکی ہمشیرہ کی رضا چاہتا تھا۔ پس یہ ثابت ہوا کہ عبدالمطلب بظاہر اپنے آباؤ اجداد کے مذہب پر تھا۔ اور اگر ابوطالب بت پرستی کرتے تو لقیناً وہ پہلا ایسا شخص ہوتا۔ جو اس تمام پاک اور طاہر سلسلے کا فرد ہو کر شرک کی بنیاد رکھتا۔ حالانکہ تمام افراد جو اس مبارک نسب سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ اس عیب سے مبرا تھے۔ پس عدم بت پرستی ثابت ہو گئی (عبدالمطلب کے حق میں) اور ابوطالب نے تمام حالات اور واقعات میں عبدالمطلب کی اتباع کی تھی۔ اور وہ حالات یہ تھے۔ تمام ستودہ صفات، اچھے اخلاق، حفاظتِ حقوق اور اعلیٰ سیادت و نجابت۔ پس آپ کا یہ کہنا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔ آپ کو ان تمام اخلاق

حمیدہ وصفات ستودہ کا حامل بنا دیتا ہے۔ جو اوپر مذکور ہو گئیں۔ اور آپ کو موحدین کے زمرہ میں داخل کر دیتا ہے۔ اور کفار قریش اس جملے پر اس لئے خوش ہوئے۔ کہ وہ مغالطہ میں رہے۔

عبدالمطلب کے مناقب میں یہ امر خصوصی طور پر داخل ہے کہ وہ پکا موحد تھا۔ اور ابوطالب اس کا ذکر بھی کیا کرتے تھے۔ اور موحد کا لفظ بھی آپ نے ان کے بارے میں کئی دفعہ استعمال کیا۔ پس ابوطالب کا یہ قول کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔ آپ کو شرک سے نکال کر موحدین کی فہرست میں داخل کر دیتا ہے۔ اور ابوطالب کے اس قول نے کفار کو اندھا کر دیا۔ لیکن ابوطالب کا مقصد حل ہوا۔ جو یہ تھا کہ حمایت پیغمبر حضرت صلعم کی تکمیل ہو جائے جس کا کئی دفعہ اوپر ذکر کیا ہے۔ الغرض وہ احادیث جن میں ابوطالب کے کفر کا اور آگ میں داخل ہونے کا ذکر ہے۔ وہ ظاہری احکام دنیا کی بنا پر ہے۔ اور شرع ظاہر کے لحاظ سے ہے۔ اور آگ میں داخل ہونا اس لئے ہے۔ کہ بظاہر آپ نے کلمۂ شہادت کو نہ پڑھا۔ یا آپ کے فرائض میں سے کسی فرض کی ادائیگی میں کوتاہی واقع ہوئی۔ یا حقوق العباد میں سے کوئی حق ادا نہ کر سکے۔ لیکن اس داخل ہونے سے مراد ہمیشہ کے لئے داخل ہونا نہیں ہے۔ کیونکہ کسی صریح نص سے یا نص حدیث سے آج تک یہ ثابت نہیں ہوا۔ کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ بلکہ ابدی خلود تو قطعی کافر کے لئے ہے۔ جس کو حضور کی شفاعت نصیب نہ ہو۔ اور ابوطالب کے بارے میں تو حضور نے فرمایا کہ میں نے اس کی شفاعت کی۔ اور دوزخ سے، نکال کر فوقانی طبقے میں لے آیا۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ، سب سے ہلکا عذاب گنہگاران امت کا ہے۔ اور پھر ابوطالب کا عذاب تمام معذبین سے ہلکا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ ابوطالب کا، عذاب گنہگاران امت سے بھی ہلکا ہے۔ اس کا مثالی فوٹو یوں ہوگا۔ ب، ج سے ہلکا ہے۔ لیکن و، ب سے بھی ہلکا ہے۔ (فلمنذا)۔ اس لئے و ہر دو سے ہلکا۔ یعنی ج اور ج دونوں سے ہلکا۔ احادیث صحیحہ سے یہ بھی ثابت ہو گیا ہے۔ کہ گنہگاران امت اس فوقانی طبقے جس کا نام جہیم ہے۔ نکالے جائیں گے۔ اور اس کے بعد وہ طبقہ ہواؤں کے چلنے کی جگہ بنے گا۔ اس کے دروازوں پر ٹھنڈی ہوائیں سرسرائیں گی۔ اور آگ کی جگہ یہاں پانی ہوگا۔ اس پانی میں آبی ترکاریاں بھی اُگ، آئیں گی۔ جہیم کو قلب ماہیت نصیب ہوگی۔ اسی مثالی فوٹو سے دوسرا مثالی فوٹو یوں ہوگا۔ سب گنہگاران امت جہیم سے نکالے جائیں گے۔

جہیم کے عذاب کے مستوجبین سے ہلکا عذاب ابوطالب کا ہوگا

اس لئے ابوطالب سب سے پہلے جہیم سے نکالا جائے گا۔ کفار تو در کنار جو کہ ہمیشہ کے لئے بموجب آیت قرآنی نچلے طبقے میں رہنگے۔ جو مومن آگ سے نکلنے والے تھے۔ ان سب پر ابوطالب کو سبقت حاصل ہے۔ پھر آگے احادیث یہ بھی ثابت کر رہی ہیں۔ کہ جو آگ سے ایک دفعہ نکالا جائے۔ وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور پھر کبھی دوزخ میں نہ جائے گا۔ کیونکہ دوزخ کو جنت سے کیا واسطہ؟ اے مخاطب اگر تو یہ کہے کہ ایک قسم کی شفاعت بالخاصہ حضور صلعم سے کفار کے بارے میں بھی ہے۔ اور ابوطالب ایک کافر تھا۔ اس لئے وہ جو سفارش حضور نے کی تھی۔ وہ خصوصی سفارش ہے۔ جو کفار کے لئے بھی ہے۔ اس کا جواب ہم یوں دیتے ہیں۔ کہ ہمارے دو مذکورہ مبادیات پر غور کرو۔ ایک تو یہ کہ ہم نے، براہین قاطعہ سے ثابت کر دیا ہے۔ کہ ابوطالب ان کفار سے نہ تھا۔ دوم یہ کہ حضور نے خود ارشاد فرمایا ہے۔ کہ میری شفاعت میری امت کے ان افراد کے لئے ہے۔ جو کہ کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوئے۔

ابوطالب اسی قسم کی سفارش میں داخل ہے۔ ترامبادی یہ ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ کہ کافروں کو کسی کی سفارش نفع نہ دے گی۔ اور اس میں کسی کو مستثنیٰ قرار نہیں دیا گیا۔ (یعنی فلاں کو فائدہ دے گی) نہ کسی کو مخصوص کیا۔ اور نہ کسی کو مستثنیٰ کیا۔ تو اب یہ آیت اپنے عموم پر قائم ہے۔ اور باقی ہے۔ اور اگر منکرین کے پاس کوئی ایسی نص قطعی یا آیت یا حدیث صریح ہے۔ جس کے ساتھ ان کے دعویٰ کی تائید ہو۔ یا وہ ایسی مثال دے سکیں تو لائیں ہم بھی دیکھیں۔ ہاں شاید ان کی کفار سے یہ مراد ہو۔ (جن کے بارے میں وہ حضور کی خصوصی شفاعت کے قائل ہوئے ہیں) کہ وہ زبان پر ایسے کلمات لائے ہوں۔ جو ظاہر شرع میں قابل قبول ہوں۔ لیکن حقیقت میں خلاف کیطرف رجوع کر رہے تو آج تک کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہوا۔ کہ حضور ایسوں کی سفارش کرینگے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ میں اس کو جس نے شرک کیا۔ نہیں بخشونگا۔ ان کے قول کے مطابق ابوطالب کو چھوڑ کر کسی مخصوص آدمی کو اس سے مستثنیٰ کر دے گا۔ حالانکہ آج تک کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہوا۔۔۔۔

بقیہ۔ سیرت ابوالبرکات

رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا۔ تو ہر شہر اور ہر قریہ سے لوگ آئے۔ ان میں وہ حضرات بھی آئے۔ جن کا آپ پر قرضہ تھا۔ حضرت شاہ محمد غوث صاحبؒ فرماتے ہیں۔ کہ جب اس قسم کے لوگ آپس میں گفتگو کرنے لگے تو میں نے خیال کیا۔ کہ یہ اپنے قرضہ کی وصولی کے متعلق گفتگو کرتے ہیں۔ اس لئے میں نے ان سے پوچھا۔ کہ تم کیا سرگوشیاں کر رہے ہو۔ تو انہوں نے جواب دیا۔

اے صاحبزادہ سخن از کشف و کرامات پدر بزرگوار شما نگوئیم و صنعت پروردگار را می بینیم کہ بندگان خود را چساں تربیت کردہ بمراتب رسانیدہ کہ عقل عاقلاں در عذر ایں معنی عاجز۔ و نظر صاحب نظراں قاصر است۔

حضرت شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے بھی اس حقیقت سے آگاہ کرو۔ تاکہ ذوق حاصل کروں انہوں نے مل کر عرض کیا کہ چند دن پہلے جب ہم نے سید حسن صاحب کی غنودگی کی علالت کے متعلق سنا۔ تو ہمیں خیال ہوا۔ کہ اگر حضور کا انتقال ہو گیا۔ تو ہمارے قرضہ کا کیا بنے گا۔

ہم سب نے متفقہ فیصلہ کیا۔ کہ آپ سے بالمشافہ گفتگو کریں۔ جب رات ہوئی تو چند اشخاص جن کے ہاتھ میں مشعلیں تھیں، نمودار ہوئے۔ انکی جیبیں اشرفیوں اور روپوں سے بھری ہوئی تھیں۔ انہوں نے ہم سب کو ایک جگہ جمع کر کے کہا ہمارے ساتھ حساب کرو۔ تاکہ حضور سید حسن صاحب کا قرضہ ہم ادا کر دیں۔ انہوں نے ہر ایک کا قرضہ چکا دیا۔ اور تمسکات اور چٹھیں لیکر چلے گئے۔ اس بھری مجلس نے یہ واقعہ سنا تو سب زار و قطار رونے لگے۔ حضرت شاہ محمد غوث صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے اس واقعہ کا کوئی علم نہیں۔ سوچنے کی بات ہے۔ کہ درویشی اور فقر کیا ہے؟ ایک شخص کے لاکھوں مرید ہوں۔ جنمیں گورنر، امراء اور حکام ہوں مگر اس درویش کامل کی وفات پر یہ امر عیاں ہوتا ہے کہ آپ چند ہزار روپے کے قرضدار تھے۔

وفات

آپکی وفات بروز جمعہ ۱۰ ذیقعدہ ۱۱۵۰ھ کو ہوئی۔ اِنَّا للہ وانا الیہ راجعون ۔

جوہری غذائیت سے بھرپور

میدہ اور سوجی

ہم عوام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

یونیورسل فلور ملز لمیٹڈ

گل بہار کالونی ★ جی۔ٹی روڈ ★ پشاور

فون نمبر
۴۰۴
۳۲۱۵

چیئرمین
صلاح الدین خان

سیرتِ حضرت ابوالبرکات سید حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ

مدیر

اسمِ شریف

آپ کا نام نامی و اسمِ گرامی سید حسن قادری ہے مگر مختلف ممالک میں آپ مختلف ناموں سے مشہور ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں آپ کو سید حسن، علاقہ ہائے کشمیر و پونچھ میں شاہ ابوالحسن، اور صوبہ سرحد میں سید حسن بادشاہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اہل پشاور آپ کو از راہِ خلوص و عقیدت "میراں سرکار" کے دل پسند نام سے یاد کرتے ہیں۔ مؤخر الذکر نام حضور کی اس نسبت کیطرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ جو آپ کو حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی ذاتِ بابرکات سے ہے۔

نسب

آپ چودہ واسطوں کے بعد قطب الدائرہ حضرت سید عبدالرزاق بن حضرت محبوب سبحانی غوث افخم محی الدین سید عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز تک پہنچتا ہے۔ اور پھر تیرہ واسطوں سے مظہر العجائب والغرائب حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ تک منتہی ہوتا ہے۔

ولادت

آپ ماہ جمادی الآخر سنہ ۱۰۳۳ھ میں ٹھٹھہ (سندھ) کے مقام پر عارف کامل، عالم اجل حضرت سید عبداللہ صاحب المشہور بہ "صحابیٔ رسول" کے ہاں کتم عدم سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ جناب "صحابیٔ رسول" اپنے آبائی وطن بغداد شریف سے بغرضِ تبلیغ و سیاحت سندھ تشریف لائے تھے۔ اور سلسلۂ رشد و ہدایت جاری فرماکر سرزمین ہندوستان کو قرآن و حدیث سے منور فرمایا۔

تعلیم و تربیت

آپ کا گھر علم و حکمت اور تصوف و عرفان الٰہی کا دارالعلوم تھا۔ آپ کا ماحول یادِ الٰہی اور اتباعِ سنت کی نورانیت سے جگمگا رہا تھا۔ اسی وجہ سے آپ نے اپنی خاندانی عظمت و شرافت، علمی فضیلت اور فقر بنوت سے وافر حصہ پایا۔ آپ کی تعلیم و تربیت اپنے والدِ گرامی کے زیر سایہ ہوئی۔ چونکہ آپ کا گھر علم و فضل اور فقر و طریقت کا گہوارہ تھا۔ لہٰذا آپ نے چھوٹی عمر میں ہی (یعنی ۱۶ برس کی عمر میں) جملہ علوم درسیہ کی تکمیل کرلی۔ اس کے بعد ۱۷ برس کی عمر میں درس و تدریس کا کام سنبھال لیا۔ اس کے ساتھ ساتھ کمالِ استقامت و استقلال سے منازل سلوک و تصوف طے کرنے میں مصروف ہوگئے۔ جناب سید غلام صاحب رحمۃ اللہ

علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

"تربیت از پدر مشفق خود بے حد و بے عدد یافتند و زیر سایۂ لطف ایشاں معرفت حاصل نمودند و بہ درجۂ انتہا رسیدند" (قلمی رسالہ خوارق عادات)

مورخ کشمیر سید محمد شاہ صاحب مفتی سعادت کشمیری فرماتے ہیں۔ "اپنے والد ماجد سید شاہ عبداللہ صاحب سے روحانی تعلیمات کا سرمایہ حاصل کیا۔

بیعت

آپ اپنے والد محترم حضرت "صحابیٔ رسول" سید عبداللہ صاحب سے سلسلۂ عالیہ قادریہ میں بیعت ہوئے۔ اور صاحب مجاز و معنعن تھے۔ آپ کے سلسلۂ عالیہ قادریہ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس سلسلہ کے ہر ایک فرد نے اپنے والد سے فیض اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ اور تمام فیوض باطنی سینہ بسینہ اکتساب کئے۔ اس سلسلۂ مبارک کے سب کے سب افراد صاحب ولایت تھے۔ اور استقامت فی الدین میں درجۂ کمال تک پہنچے ہوئے تھے۔ اور دنیاوی لحاظ سے بھی ایک بلند اخلاق، صاحب عزت و وجاہت شہری تھے۔

حضرت مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے لیکر سید حسن صاحب اور ان کے بعد تک سب کے سب افراد عالم، فاضل، مؤرخ، مبلغ اسلام اور صاحب کرامت تھے۔ اور آج تک ان کے مزارات، ان کی پاکیزگی اور عظمت کے شاہد ہیں، جہاں ہر وقت قرآن مجید، درود شریف اور ذکر الٰہی ہوتی رہتی ہے۔ اور یہ سلسلۂ عالیہ اسی طرح اللہ کے فضل و کرم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس وقت تک جاری ہے۔

"مجاہدہ و تزکیہ"

والد گرامی کے انتقال کے بعد آپ ذکر، فکر، مراقبہ، ریاضیات، نفس اور مکمل خلوت میں مصروف تھے۔ لیکن ایک آپ کی طبیعت میں وحشت و نفرت پیدا ہوگئی۔

حضرت علامہ امام الطریقہ شاہ سید محمد غوث صاحب فرماتے ہیں۔ کہ والد گرامی سید حسن صاحب فرماتے تھے۔

"ولم از انس انساں وحشت کلی گرفت واز خویش وبیگانہ نفرت محض پذیرفت" اس کے بعد کیا ہوا۔ آپ فرماتے ہیں

"پس بعزم ریاضات و مجاہدات در جزائر شور رفتم و ہفت سالہ چلہ کشیدم تا ستر عورت تمام شب در میان آب می استادم و روزانہ بر کنار آب می نشستم و قوتم از برگ درختاں بود کہ خود می ریختند (رسالہ خرق عادات قلمی)

یعنی آپ ریاضات و مجاہدات کے لئے جزائر شور تشریف لے گئے۔ اور سات سال کا چلہ کاٹا۔ رات ستر عورت تک اس پانی میں گذارتے اور تمام دن پانی کے کنارے بیٹھے رہتے۔ آپ کی غذا درختوں کے پتے تھے۔ جو خود بخود گرتے تھے۔

جناب محدث جلیل حضرت شاہ محمد غوث صاحب رسالۂ کسب سلوک و طریقت میں فرماتے ہیں۔

"در اکثر بلاد در خدمت بزرگان در خلوت و اربعین نشستہ فوائد حاصل نمودند"

یعنی اکثر شہروں میں بزرگان کرام کی خدمت میں رہکر چلے کاٹے اور فوائد حاصل کئے

سفر

اپنے آبائے کرام کی سنت کے مطابق جب آپ کمالات

ظاہری و باطنی سے مزین ہو گئے۔ تو تبلیغ اسلام کیلئے ہندوستان کے کونہ کونے میں پھرنے کیلئے نکلے۔ ایک ایسے وقت میں آپ نے یہ تبلیغی سفر اختیار کیا۔ جبکہ مسافر کو آج کل کی سہولتیں میسر نہ تھیں۔ تقریباً تمام سفر پیدل کیا۔

اثنائے سفر میں ہر قسم کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا۔ اور پھر یہ کہ یہ سفر کسی دنیاوی طمع یا لالچ کیلئے نہ تھا۔ بلکہ تبلیغ اسلام و تلاش حق اشاعت سنت نبوی اور یاد الٰہی کیلئے تھا۔ اس سفر میں آپکے چھوٹے بھائی ابو المکارم حضرت شاہ محمد فاضل خانیاری رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ اس سفر میں آپکو کن کن بے دین اور بد اخلاق لوگوں سے واسطہ پڑا۔ آپ خود فرماتے ہیں۔ کہ جس علاقہ میں ہم تبلیغ کیلئے گئے۔ وہاں بغیر از کفر و بت پرستی بودے از دین و آئین در آں سرزمین نبود" یعنی سوائے کفر اور بت پرستی کے اس سرزمین کا دین و آئین نہ تھا۔ واقعی سچ ہے۔ تاریکی میں روشنی کی ضرورت ہے۔ خشک اور بنجر زمین کو پانی کی اشد ترین ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور مقبول بندوں کا وجود بوجہ یاد الٰہی کے نور اور رحمت ہوتا ہے۔ جہاں بھی ایسے بابرکات حضرات پہنچتے ہیں۔ وہاں سے تاریکیوں کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ کفر اور معصیت کا دور ختم ہو جاتا ہے۔ ان کے وجود باوجود کی برکت سے اس وطن کے رہنے والوں کو رحمت الٰہی اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ وہی سرزمین جہاں کفر اور بت پرستی کے سوا کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ آپ وہاں پر تبلیغ کا کام کرتے تھے۔

نتیجہ کے طور پر ہزارہا لوگ آپ کے دست حق پرست پر توبہ کر کے داخل اسلام ہوتے۔ وہ مقام جہاں پر اللہ جل جلالہ کا نام لینے والا کوئی نہ ہوتا۔ اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حمیدہ اور اوصاف شریفہ ومبارکہ سے کوئی واقف نہ ہوتا عدل و انصاف کا نام تک نہ ہوتا۔ وہاں پر تھوڑی مدت میں آپ کی کوششوں سے اسلام کو اتنی ترقی ہوئی کہ ہزاروں لوگ مسلمان ہوئے۔ مساجد تعمیر کی گئیں۔ ہر ذاکر قرآن خواں، تہجد خواں نظر آنے لگا۔ جہاں پر بھی آپ نے دوران سفر میں تبلیغ کی نہایت ہی منظم طریقہ پر کی۔ باقاعدہ مساجد میں تعلیم قرآن کا انتظام کیا۔ صرف کاٹھیاواڑ اور گجرات کے علاقہ میں ۲۵ مسجدیں تعمیر کی گئیں۔ اور پانچ خلفاء مقرر کئے۔ جو باقاعدہ دورہ کر کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے۔ ان کے مواعظ کا مرکزی نقطہ بھی صدق مقال اور اکل حلال ہوتا۔

گجرات سے ہوتے ہوئے شاہجہاں آباد (دہلی) تشریف لائے۔ وہاں پر بھی یہی تبلیغی کام جاری رکھا۔ اور مخلوق خدا کو اللہ جل جلالہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ بتاتے رہے۔

غرضیکہ تبلیغ کرتے کرتے پنجاب پہنچے۔ لاہور قیام فرمایا مگر وہاں بھی آپ مستقل نہ ٹھہرے۔ اور آپ کیسے ٹھہر سکتے تھے۔ جبکہ آپکو حضور سرکار بغداد رضی اللہ عنہ کیطرف سے پشاور میں رہ کر کشمیر، ہزارہ، کابل، غزنی اور ہرات تک تبلیغ کرنے کا حکم تھا۔ اور اس تمام علاقہ میں سلسلۂ عالیہ قادریہ کے ذریعہ لوگوں کی اصلاح کرنی تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ورود پشاور

۱۲۸۲ھ میں آپ پشاور پہنچے۔ پشاور کے ایک میل کے فاصلہ پر ایک قصبہ (سلطان پور، کے نام سے موسوم تھا) میں قیام کیا۔ حضور غوث اعظم سید شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے آپ کو امر فرمایا کہ " اے بیٹا یہ تیرے رہنے کی جگہ ہے۔ یہاں اقامت اختیار کرو، و مارا در ہر حال با خود مقصود داری۔

آپ کو جناب سرکار بغداد نے اپنے عصاسے بتایا۔ کہ اس جگہ مسجد، اس جگہ مکان، اور یہ تمہاری قبر ہوگی۔

اللہ جل جلالہٗ کو اپنے ہر کام میں کارساز اور مشکل کشا جانے۔ کیونکہ وہی اس قابل ہے۔ اور جو کچھ میں نے بتایا ہے۔ خود بخود مہیا ہو جائے گا۔

آپ صبح کو اٹھے اذان دی۔ نماز پڑھی۔ فرماتے ہیں:-

"ہنوز اشراق نہ خواندہ بودم کہ مردم شہر و اطراف و جوانب فوج در فوج می آیند۔ بہ رسوخ و اعتقاد و علاقہ قائم می کنند کہ گویا آشنائے صد سالہ من بودند"

پٹھانوں کے بڑے بڑے سردار اور ارباب بھی آنے لگے مخلوقِ خدا کا اژدھام ہوگیا۔ آپ نے اپنا تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ لنگر جاری کر دیا۔ جس جس جگہ سرکارِ بغداد نے تعمیر کی جگہیں بتائی تھیں۔ وہاں پر تعمیر لوگوں نے خود بخود کر دی۔ جو بھی آتا اپنی قسمت اور قابلیت کے مطابق معرفتِ الٰہی حاصل کرتا۔ اور نجاتِ اخروی پاتا۔ آپ فرماتے ہیں "ہر کہ بطلبِ مولیٰ می آید موافق استعداد تعلیمش می کردم۔"

سفرِ کشمیر

چونکہ تمام علاقوں میں آپ نے تبلیغ کا کام کرنا تھا سلسلۂ عالیہ قادریہ کی اشاعت کرنی تھی۔ اسلئے ۱۰۹۰ھ میں جناب عنایت اللہ صاحب گجراتی و پنجابی کو صاحب مجاز کر کے یہاں کی خانقاہ کی تربیت و تعلیم کا تمام کام سپرد کیا۔ اور خود براستہ دھمتوڑ پکھلی کشمیر روانہ ہوئے۔

جناب مورخ کشمیر مفتی سعادت صاحب فرماتے ہیں کہ آپ نے ۱۰۹۱ھ میں کشمیر پہنچ کر تشنگانِ ہدایت کو علوم باطنی سے سیراب کیا۔ خواجہ عبدالرحیم قادری، میر افضل اندرابی شاہ عنایت اللہ قادری وغیرہم حاضرِ خدمت ہو کر آپکی توجہات اور فیوض رحمت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ جناب حضرت علامۂ وقت محمد افضل صاحب نے مرید ہو کر خرقۂ خلافت بھی حاصل کیا اس سفر میں بھی حضرت ابو المکارم شاہ محمد فاضل صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ہمراہ تھے۔ بقول سید غلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ "در محلۂ عیدگاہ در خانۂ منصب داری نزول فرمودند"

آپ تقریباً چھ ماہ کشمیر میں رہے۔ اپنی سخاوت و بخشش کا طریقہ بدستور رکھا۔ لنگر جاری تھا۔ سینکڑوں غرباء، مسافر عاجز اور بے وسیلہ لوگوں کی خدمت کی۔

حضرت خواجہ بہاء الدین صاحب اپنی کتاب بنام "غوثیہ شریفہ" میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ "آپکے لنگر سے چھ سو نفر روزانہ پیٹ بھر کر کھانا کھاتے۔ اور جو مفلوک الحال ہوتے۔ ان کو کپڑا بھی عنایت فرماتے۔ آپ کا اپنا ارشادِ گرامی ہے کہ

"حق تعالیٰ چناں نوازشہم فرمودہ است و چناں دولتم عطا نمودہ است کہ اگر اہلِ مشرق و مغرب جمع شوند و ہر روز از من نفقہ خواہند ہمہ را بدہم و ہرگز بعجز و ملامتم نیایم"

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتنی نوازشیں کی ہیں۔ اور اسقدر دولت مرحمت فرمائی ہے کہ اگر تمام دنیا کے لوگ جمع ہو کر مجھ سے نفقہ طلب کریں تو سب کو دوں۔ اور کسی قسم کی کمی نہ ہو۔ آپ کے اس جود و عطا کو دیکھ کر صاحب تاریخ اعظمی فرماتے ہیں۔

"باحجہ و ذوی قلیل البضاعت احتیاج استکشاف نہ بود"

آپ کی بے لوث تبلیغ اسلام، اشاعتِ سنتِ رسول انام یادِ الٰہی، خدمت فقراء اور زہد ریاضت کی شہرت اتنی عام ہوئی۔ کہ ہر طرف سے لوگ جوق در جوق اصلاحِ قلوب

۱؎ قلمی مورخ کشمیر صاحب کے کتب خانہ واقع سری نگر نظر سے گذری

تزکیہ، اور تہذیب نفوس کے لئے آنے لگے۔

چھ ماہ کے بعد آپ نے واپسی کا قصد فرمایا۔ اپنی جگہ اپنے چھوٹے بھائی حضرت ابو المکارم سید شاہ محمد فاضل رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت طریقۂ قادریہ میں دیکر رہنے کی تلقین کی۔ تمام مریدین کی تعلیم و تربیت آپ کے سپرد کر کے واپس عازم پشاور ہوئے۔

سفر کابل

کشمیر سے واپس آکر چند دن پشاور میں قیام کیا۔ اور پھر کابل کے سفر کا ارادہ فرمایا۔ آپ تین بار کابل تشریف لیگئے۔ ان تینوں سفروں میں صوفیاء، علماء و مشائخ اور فقراء سے ملاقاتیں کیں۔ ہزاروں تشنگان ہدایت کو مرید فرما کر سلسلۂ قادریہ کی اشاعت کی اجازت دی۔ پہلے سفر کی واپسی پر جو ۹ ماہ تک رہا۔ گورنر کابل نواب امیر خان سلسلۂ بیعت میں داخل ہوا۔

دوسری بار آپ انکی دعوت پر کابل پر تشریف لیگئے۔ اس کے حکام اور امراء کو شریعت اسلامیہ کی پابندی اور غریبوں، مسکینوں کے حقوق کی حفاظت اور خصوصیت کیساتھ غریب اور نادار طالبعلموں کی اعانت کا حکم فرمایا۔ بیواؤں کے وظائف مقرر فرمائے کابل میں بھی اپنے طریقہ کے مطابق لنگر جاری کیا۔ یہ سفر بھی کابل، غزنی، ہرات اور دور دور مقامات کیا۔ اور سلسلہ کی اشاعت و تبلیغ فرمائی۔

تیسرا سفر بالکل تنہائی کا تھا۔ اس دفعہ آپ صرف ان حضرات سے ملاقات کرتے۔ جو منتہی سالک ہوتے۔ اور جن کا مقصد اعلیٰ مقامات اور مدارج علیا طے کرنا ہوتا۔ البتہ لنگر باقاعدہ جاری رہتا۔ یہ قیام صرف پندرہ دن رہا۔

غرضیکہ ان تمام سفروں میں آپ نے انتہائی پختہ عزم و یقین کے ساتھ اسلام کی تبلیغ فرمائی۔ قرآن مجید کی تعلیم عام کی۔ اشاعت سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ اور سلسلۂ قادریہ کو اس عروج کمال تک پہنچایا کہ آج جبکہ آپکو ۲۵۹ برس گذر چکے ہیں۔ سرزمین سرحد پنجاب، افغانستان اور کشمیر کے گوشہ گوشہ میں آپکی روحانی تعلیمات کے چشمے ابل رہے ہیں۔ اور لوگ ان سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔

شادی

پشاور شہر کے قریب بطرف مغرب ایک گاؤں کوئٹہ محسن خان ہے۔ اس کے بڑے ارباب نے آپکو اپنی صاحبزادی کی پیشکش کی۔ آپ نے قبول فرمایا۔ انکے بطن سے آپکو اللہ تعالیٰ نے ایک فرزند عطا فرمایا۔ اس کا نام آپنے سید زین العابدین رکھا۔

کچھ عرصہ کے بعد آپ نے موضع کنڑ کے صحیح النسب سادات گھرانے میں شادی طلب کی۔ جس کی خواستگاری آپ نے کی۔ وہ صوبہ سرحد کے عظیم المرتبت ولی اللہ حضرت سید علی ترمذی المعروف پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ کی پوتی تھی۔ اور بقول صاحب خزینۃ الاصفیا "در طاعت و عبادت رابعہ عصر بود" کچھ روز قدح کیعبد آپ کی شادی اس نیک بی بی سے ہوگئی۔ جس کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے آپکو دو فرزند عنایت فرمائے۔ ایک حضرت سید شاہ محمد غوث صاحب پشاوری ثم لاہوری، دوسرے سید علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ان بیوی صاحبہ کا مزار آپ کے مزار کے پہلو میں واقع ہے۔

اخلاق

اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپکو تمام اخلاق حمیدہ اور اوصاف ستودہ سے مزین فرمایا تھا۔ غرباء کی دلجوئی، مسافروں کے

ؔ حضرت ابو المکارم شاہ محمد فاضل رحمۃ اللہ علیہ کا مزار سرینگر کے وسط میں خانیار کے نام سے منسوب ہے

ساتھ حسن سلوک، امراء اور حکام سے تحائف کا قبول نہ کرنا اور ان کو ان کی غیر شرعی حرکات پر بلا خوف لومۃ لائم، متنبہ کرنا، بیواؤں اور غریب کنواری لڑکیوں کی اپنے اخراجات پر شادیاں کروانا۔ یہ سب وہ باتیں تھیں۔ جو مقناطیسی کشش کی طرح قلوب خاص و عام کو شرمندۂ احسان کرتی تھیں۔

محدث جلیل حضرت علامہ شاہ محمد غوث صاحب شارح صحیح البخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"خدمت فقراء و مساکین بسیاری کردند و با علوم خلائق چناں شفقت می فرمودند کہ گویا عیال ایشاں بودند"

حضرت علامہ سید غلام صاحب فرماتے ہیں کہ "بر عموم خلقت چناں شفقت و رافت و مہربانی داشتند کہ پدر بالپسر داشتہ باشد" عفو و کرم، حلم و بردباری، تواضع و انکساری کے ایسے عملی نمونے آپ کی مبارک زندگی میں ملتے ہیں۔ کہ گویا آپ مکمل طور پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی مطہر زندگی کی عملی تفسیر تھے۔

یہی وہ اخلاق کریمانہ تھے۔ جنکی بدولت ہزارہا گم گشتگان بادیہ ضلالت کو نیک اعمال کی ہدایت ہوئی۔

آپ کے استغنا کا یہ عالم تھا۔ کہ آپ نے کبھی بھی حکام وقت سے تحفہ یا نذرانہ قبول نہیں کیا۔ بلکہ ان لوگوں کو ان کی زندگی کا صحیح مقصد یعنی انصاف، دیانت داری، مساوات، اخوت، عدل، غربا پروری اور حسن سلوک کی نصیحت فرماتے۔ نیز اُن لوگوں کو رقوم خرچ کرنے کا صحیح مصرف بتاتے۔

ایک بار گورنر کابل نواب امیر خان نے اورنگزیب عالمگیر سے آپ کے فرزند جناب حضرت سید خواجہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام برائے گزران معیشت قطعۂ اراضی کا فرمان لکھوا کر حضور سید حسن صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے وہ فرمان دیکھا اور فرمایا

"یا امیر جزاک اللہ، کہ خیر خواہی فقراء مرکوز خاطر داری، امامن طالب این نیستم"، "و احتیاج این نہ دارم"

مگر غور طلب بات یہ ہے۔ کہ آپ نے گورنر کابل کو اس کا صحیح مصرف بتایا۔ فرمایا

"باید کہ بہ حاجت منداں و مستمنداں بدہی کہ قوت لایموت شاں شود"

یعنی ان لوگوں کو جو محتاج اور ضرورت مند ہیں۔ یہ زمین دینی چاہیئے۔ تاکہ ان کی زندگی بسر ہو سکے۔

اللہ اکبر! اتنا بڑا حاکم اپنی کمال عقیدت سے آتا ہے۔ اور اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ ہندوستان کی طرف سے چالیس جریب زمین کی جاگیر عطا کرتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ پیشکش صحیح نہیں ہوتی۔ اس لئے آپ قبول نہیں فرماتے، نیز گورنر کو صحیح رہنمائی فرماتے ہیں۔ یہی وہ جذبہ کاملہ و صالحہ اور اسی کی وجہ سے بڑے بڑے، امراء و بادشاہ بوریہ نشین فقراء کی خدمت کو مایۂ صد نازش و افتخار سمجھتے ہیں۔ آپ کے اس ارشاد گرامی کا ایک ایک لفظ سچائی، دیانت، امانت اور اخلاص کا مظہر ہے۔

کرامات

جناب سید غلام صاحب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

کہ کرامات ایشاں مثلِ قطرات مطرات لا یعد و لایحصیٰ است"۔ یعنی آپ کی کرامات باران رحمت الہٰی کے قطروں کی طرح ان گنت اور بے شمار ہیں۔

جناب محدث جلیل حضرت شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ لاہوری تحریر فرماتے ہیں۔ "خوارق عادت ازیں شان بحدے ظہور یافتہ کہ تحریر آں دریں مختصر گنجائش نہ دارد" یعنی آپ کی کرامات اس حد تک ظاہر ہوئیں۔ کہ ان کی تمام تفصیل اس مختصر مجالہ میں نہیں سما سکتی۔

اولیائے کرام سے کرامات کا صدور مستحسن امر ہے۔ مگر اولیاء کرام نے ہمیشہ شریعت مطہرہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کو مضبوطی کے ساتھ پکڑا۔ اور ان کی زندگی کا مقصد ہی اتباع سنت تھا۔ تاکہ اس کے ذریعے قرب الہٰی حاصل کریں۔ ان کی نظر ہمیشہ اپنے نصب العین پر رہی۔ ان کی نظر میں دوسرے امور ضمنی حیثیت رہتے ہیں۔

حضرت سید غلام صاحب فرماتے ہیں۔ کہ آپ کا ایک خادم ہر وقت گذشتہ اولیاء کرام کی کرامتیں بیان کرتا۔ اور پھر آپ سے طلب کرامات کرتا۔

آپ نے اس کو فرمایا۔ اے درویش کرامت کے درپے نہ ہو۔ یادِ الہٰی میں مصروف رہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتہ مطہرہ کی متابعت کر، کیونکہ نجات اسی میں ہے۔ لیکن وہ طلب کرامات پہ مصر رہا۔

اتفاق ایسا ہوا۔ کہ آپ امر بالمعروف کے لئے، دوآبہ (ہشتنگر) تشریف لے گئے۔ دوآبہ کے راستے میں دریا بہتا تھا۔ جس کو بذریعہ کشتی عبور کرنا پڑتا تھا۔ آپ اس وقت ایک عراقی گھوڑے پر سوار تھے۔ اور وہی خادم رکاب تھامے ہوئے تھا۔ جب آپ کشتی کے قریب پہنچے تو آپ نے گھوڑے کی لگام کھینچی۔ گھوڑا بجائے کشتی کے دریا میں کود پڑا۔ وہ خادم جو رکاب تھامے ہوئے تھا۔ وہ بھی دریا میں گر پڑا۔ تمام مرید و معتقد گھبرا گئے۔ اور ایک کہرام مچ گیا۔ کہ آپ بمعہ سواری و خادم دریا میں غرق ہو گئے ہیں۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد آپ بمعہ سواری و خادم دریا کے دوسرے کنارے پر نظر آ گئے۔ اب حیرانگی و تعجب کا عالم تھا۔ کوئی آپ کے قدم چومتا۔ کوئی ہاتھ، آپ کے کپڑے، گھوڑا، اور خادم بالکل خشک تھے۔ آپ نے اس خادم کو فرمایا۔ یا عبد اللہ دیدی، قدرت اللہ را۔ اس نے عرض کیا۔ ہاں جناب، پھر آپ نے فرمایا کہ پہلے تو گذشتہ اولیاء کرام کی کرامات بیان کیا کرتا تھا۔ اب اپنی آنکھوں سے یہ ماجرا بھی دیکھ لیا۔ مگر یہ بات یاد رکھنا کہ "ایں ہمہ آنچہ دیدی وشنیدی بازئ طفلاں است۔ وکار دیگر است، سالک را ایں کار آفت است۔ ومانع علو درجات است"۔ یعنی یہ سب کچھ جو تم نے دیکھا اور سنا چھوٹے بچوں کا کھیل ہے۔ اصلی مقصد کچھ اور ہے۔ نیز سالک کے لئے یہ کرامات جتلانا باعث آفت ہے۔ اور یہ سلوک اور معرفت کے راستہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

جب حضرت ابو البرکات سید حسن صاحب (بقیہ صفحہ ۲۶ پر)

شکر الحمد اللہ

سلطانی مصالحہ جات

ایشیا بھر میں سب سے عمدہ ثابت ہو رہے ہیں

مرچ ۔ ہلدی ۔ گرم مصالحہ ۔ سالن مصالحہ ۔ دھنیا ۔ میتھی قصوری
اور کالی مرچ ۔۔۔۔ بند ڈبوں میں دستیاب ہے ۔

سلطانی برانڈ پراڈکٹس ۔ پیپل منڈی ۔ پشاور ۔ فون نمبر ۲۳۳۰

جہانگیر ہوٹل

سینما روڈ
پشاور شہر

چکن تکہ ۔ چکن روسٹ ۔ چکن کباب ، مرغ مسلم ، چکن تندوری اور دیگر عمدہ
اور لذیذ کھانوں کا بہترین مرکز ۔

خود بھی لطف اٹھایئے
اور مہمانوں کو بھی کھلایئے

قرآن اور سائنس

سید ہدایت اللہ شاہ پشاوری

دنیا میں اس وقت مسلمان ہی وہ خوش قسمت قوم ہے جس کے پاس اللہ تعالیٰ کا کلام بالکل محفوظ تمام تحریفات سے پاک صاف ٹھیک انہی الفاظ میں موجود ہے۔ جن میں وہ اللہ کے رسول برحق پر نازل ہوا تھا۔ اور اسوقت دنیا میں مسلمان ہی وہ بدقسمت لوگ ہیں۔ جو اللہ کا کلام رکھتے ہوئے بھی اس کی بے حد و حساب نعمتوں اور برکتوں سے محروم ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے۔ کہ انہوں نے اتنے عظیم الشان کلام کی ناقدری کرتے ہوئے اسے پس پشت اور طاق نسیاں کر دیا ہے۔

قوانین قدرت ہمیشہ اٹل ہوا کرتے ہیں۔ قدرت صرف ان اقوام کو دنیا میں باقی رکھتی ہے۔ جو عامۃ الناس کے لئے مفید ہوں۔ اور غیر مفید اقوام کو حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے ناپید کرنے میں کوشاں رہتی ہے۔

"اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ" رعد

"دنیا میں وہی لوگ باقی رہتے ہیں۔ جو عام لوگوں کے لئے مفید ہوں"

یہی حالت مسلمانوں کی ہے۔ جب تک وہ دنیا کے لئے مفید رہے۔ خداوند تعالیٰ انہیں ہر قسم کی سعادتوں اور مسرتوں سے نوازتا رہا۔ لیکن جب انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے احکامات سے روگردانی کی۔ ان پر وسیع و عریض دنیا تنگ سے تنگ تر ہوتی گئی۔ اور ایسے متزلزل ہوئے کہ آج تک سنبھلنے میں نہیں آتے۔ کیونکہ اللہ پہلے ہی سے فرما چکا ہے۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ

"یعنی اگر تم نے ہمارے دیئے ہوئے آئین حیات سے منہ پھیر لیا۔ تو ہم تمہاری جگہ دوسری قوم کو دے دیں گے"

اپنے اسلاف پر نظر ڈالئے۔ ان کے بے لوث کارناموں کی زد میں قیصر و کسریٰ کی پرشکوہ سلطنتیں متزلزل نظر آتی ہیں۔ اسپین پر مسلمانوں کے آٹھ سو سالہ دورِ حکومت پر نظر عمیق ڈالیں۔ آپ ان کی تعمیرات ان کی صناعی اور ان کے نظامِ حکومت پر عش عش کر اٹھیں گے۔

صلاح الدین ایوبی کے کارناموں کو یاد کیجئے۔ جس کا نام لیکر عیسائی عورتیں اپنے بچوں کو ڈرایا کرتی تھیں۔ اور جس کے خلاف جنگ جاری رکھنے کیلئے ہر عیسائی حکمران رعایا کے ہر فرد سے اسکی آمدن کا دسواں حصہ "عشر صلاح الدین" بطور ٹیکس وصول کیا کرتے تھے۔ وہ بھی مسلمان تھے۔ اور ہم بھی مسلمان ہیں۔ ہماری حالت کا صحیح نقشہ حکیم الامت نے کتنے واضح الفاظ

میں کھینچا ہے۔

سبتے تو آبا وہ تمہارے ہی مگر تم کیا ہو !
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو !

ان باتوں سے واحد مطلب یہی ہے۔ کہ مسلمان قرآن پاک کی تلاوت کو کارِ ثواب سمجھ کر صرف اسی پر اکتفا نہ کریں۔ بلکہ اس کے معانی و مطالب سمجھنے کی کوشش کریں۔ تاکہ وہ ان حقائق سے آشنا ہوں۔ جو آج سے پونے چودہ سو سال پہلے رسول برحق کے ذریعے مسلمانوں پر آشکارا کی گئیں۔ اور جن کا تجزیہ آج کل کے علمائے مغرب صدیوں کی چھان بین کیبعد دریافت کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

قرآن پاک میں مسلمانوں کو بار بار مناظر کائنات پر غور وخوض کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اللہ کے ہاں مناظر کائنات، حشرات و دواب اور اشجار و احجار کو وہ اہمیت حاصل ہے۔ کہ کتاب الٰہی کی بیشتر سورتیں ان کے ناموں سے منسوب کی گئی ہیں۔ مثلاً بقرہ (گائے) نمل (چیونٹی) عنکبوت (مکڑی) دخان (سٹیم، گیس، دھواں) قلم (آلۂ تحریر) الیل (رات) القمر (چاند) التین (انجیر) طور (پہاڑ کا نام) اور الشمس (سورج) علاوہ ازیں قرآن پاک میں بیشتر ایسی آیات ملتی ہیں۔ جو ہمارے لئے مختلف قسم کی معلومات مہیا کرتی ہیں۔ اور آجکل کے سائنسی نظریات انکی تصدیق بھی کر چکے ہیں۔

سب سے پہلے نظام شمسی کو لیجئے۔ سورۂ حج کی سینتالیسویں آیت ہے۔ اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۔ "یعنی اللہ کا ایک دن تمہارے ہزار سالوں کے برابر ہے۔" آسمان میں عقلِ انسانی کے مطابق نظام شمسی کی کوئی انتہا نہیں۔ اندازہ بتایا جاتا ہے۔ کہ تقریباً تیس کروڑ زمینیں فضا میں گھوم رہی ہیں۔ شموس کی تعداد دس کروڑ ہے۔ اور ہر سورج کے گرد تین زمینیں گھومتی ہیں۔ چنانچہ ہر سورج کی حرکت اپنے مرکز کے گرد دوسرے کی حرکت سے مختلف ہے۔ اسی لئے ہر نظام کے لحاظ سے یوم و ماہ کی مدت بھی مختلف ہے۔ چنانچہ ہماری زمین کا سال تین سو پینسٹھ دنوں کا ہے۔ زہرہ کا سال دو سو پچیس یوم کا اور عطارد کا سال صرف اٹھاسی یوم کا ہوتا ہے۔ لیکن مشتری کا سال ہمارے بارہ سالوں کے برابر ہے۔ زحل کا سال ہمارے ہمارے ساڑھے انتیس سالوں کے برابر ہے۔ اور نیپچون کا سال ہمارے ایک سو پینسٹھ، سالوں کے برابر ہے۔ اسی طرح کوئی ستارہ ہمارے حساب سے ہزار سال میں اور کوئی اس سے بھی زیادہ مدت میں اپنا ایک سال کا چکر پورا کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ کا ارشاد بالکل درست ثابت ہوتا ہے۔

آئیے اب ذرا نباتات زمین پر غور کریں۔ سورۂ حجر کی بائیسویں آیت ہے۔ وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ ۔ یعنی "ہم بھیجتے ہیں ہواؤں کو جو کہ بخارات آبی (اور مادہ منویہ اشجار) سے لدی ہوتی ہیں" دوسری جگہ سورہ ذاریات کی پچاسویں آیت میں اس طرح ارشاد ہوتا ہے۔ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ ط یعنی "ہم نے ہر چیز میں جوڑے (نر اور مادہ) پیدا کئے ہیں۔ تیسری جگہ سورہ حج کی پانچویں آیت میں زمین کے متعلق یوں ارشاد باری ہے۔ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ

وَرَبَتْ وَاَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ ۔ یعنی تم زمین کو خشک دیکھتے ہو۔ پھر جب ہم اس پر پانی اتارتے ہیں۔ وہ تر ہو جاتی ہے۔ اور پھلتی پھولتی ہے۔ اور ہر قسم کے خوشنما جوڑے (نر و مادہ) اگاتی ہے۔ پھر آیت وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ کا ایک مطلب تو بالکل صاف ہے۔ یعنی ہم ایسی ہوائیں بھیجتے ہیں۔ جو کہ بخارات آبی سے لدی ہوتی ہیں۔ دوسرا مطلب لواقح سے ہے۔ لواقح، لقاح سے ہے۔ جسکے معنی ہے۔ کھجور کے نر درخت کا غبار نطفہ اور اسکا فعل القاح ہے۔ جسکا مطلب ہے۔ درختوں کو حاملہ بنانا۔ اب ان آیات کی روشنی میں ایک ماہر نباتات کے نظریات ملاحظہ ہوں۔

عموماً ایک پھول کے دو حصے ہوتے ہیں۔ نر و مادہ۔ جبتک مادہ نر سے حاملہ نہ ہو تو وہ پھل یا بیج کی صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ پھول کے نر حصے میں ایک غبار ہوتا ہے جسے انگریزی میں (POLLEN) اور اردو میں مادہ منویہ اشجار کہتے ہیں۔ اور حصہ مونث پر پھول کے پھل لانے والے ہوتے ہیں۔ جب مادہ منویہ کا کوئی ذرہ ان بالوں پر گر جاتا ہے۔ تو وہ بالوں میں پھنس جاتا ہے۔ اور اسطرح مادہ حاملہ ہو جاتی ہے۔ بعض پودوں مثلاً ہیزل (HAZEL) کیساتھ نر و مادہ پھول الگ الگ لیکن ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ نر پھول نیچے کو جھکا ہوا ہوتا ہے۔ اور مادہ اوپر کو۔ مقصد یہ۔ کہ اگر نر کا مادہ منویہ گرے تو مادہ اس سے محروم نہ رہے۔

بعض پھولوں کے نر و مادہ بالکل علیحدہ اور دور دور ہوتے ہیں۔ یہاں شہد کی مکھیاں، تتلیاں اور بھونرے یہ کام انجام دیتے ہیں۔ جب یہ نر پر بیٹھتی ہیں تو کچھ مادہ منویہ انکی ٹانگوں سے چمٹ جاتا ہے۔ اور پھر مونث پھول پر بیٹھتی ہیں تو اس غبار کا کچھ حصہ وہیں رہ جاتا ہے۔ اور اسطرح پھول حاملہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن بعض اشجار مثلاً کھجور، چیل، دیودار کے پھول نہ تو اتنے خوشبودار ہوتے ہیں۔ اور نہ خوبصورت۔ چنانچہ شہد کی مکھیوں، تتلیوں اور بھونروں کو اپنی طرف مائل نہیں کر سکتے۔ یہاں پر اس غبار یعنی (POLLEN) کے نقل مکانی کا کام ہواؤں سے لیا جاتا ہے۔ ہوا نر درخت سے اس غبار کو اڑاتی ہے۔ اور کھینچ کر اسے بکھیر دیتی ہے۔ چنانچہ مادہ درخت حاملہ ہو جاتے ہیں۔ قرآن پاک کے الہامی ہونے پر اس سے بڑا ثبوت کیا ہے۔ کہ اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہے۔ کہ اس تاریک ترین زمانے میں رسول عربی (فداہ امی وابی) نے ایک ایسی حقیقت سے پردہ اٹھایا۔ جو آجکل کے جدید ترین سائنسی نظریات میں سے ایک ہے۔ یعنی نباتات میں نر و مادہ کا نظریہ اور ہوا کے ذریعے، غبار مادہ منویہ اشجار کا منتشر ہونا ۔

تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا
میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں

ان آیات کریمہ کے علاوہ قرآن پاک میں اکثر ایسی آیات اور بھی ہیں۔ جن کی تائید موجودہ سائنسی نظریات کرتے ہیں۔ مثلاً گردش زمین پر دلالت کرتے ہوئے ارشاد باری ہے۔ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۔ نمل (۸۸) تم پہاڑوں کو دیکھتے ہو اور انہیں ساکن گمان کرتے ہو۔ حالانکہ وہ بادلوں کی مانند چل رہے ہیں۔ دوسری جگہ سورہ نحل کی پندرہویں آیت ہے۔ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ ۔ یعنی ہم نے زمین میں بھاری بوجھل پہاڑ ڈال دیئے ہیں۔ تاکہ وہ تمہارے ساتھ نہ ڈگمگائے۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کا توازن برقرار رکھنے کیلئے نہایت عظیم الشان پہاڑ بنا دیئے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ عدم توازن ہونے سے زمین کہیں ادھر ادھر لڑھک کر کسی ستارے سے جا ٹکرائے۔ سورہ طٰہٰ کی آیت نمبر ۵۳ میں ارشاد ہوتا ہے۔ اَلَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا ۔ "وہ اللہ جس نے زمین کو تمہارے لئے پنگوڑے (گہوارے) کی مانند بنایا"۔ چنانچہ زمین کا ناہموار ہونا رحمت الٰہی ہے۔ ورنہ یہ انسانی و حیوانی زندگی کا گہوارہ نہ بن سکتی۔ اسیطرح نظام شمسی میں توازن و اعتدال برقرار رکھنے پر یوں ارشاد ہوتا ہے۔ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بلند کیا۔ اور پھر انہیں توازن قائم کیا۔ سورہ الحدید کی پچیسویں آیت ہے۔ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ ۔ ترجمہ۔ ہم نے فولاد اتارا۔ جسمیں نہایت زبردست قوت ہے۔ چنانچہ یورپین اقوام کی ترقی کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے۔ کہ ان کے پاس فولاد کے ذخیرے ہیں۔ اور وہ اسکو استعمال میں لانے کے علم سے کما حقہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صبا بحسنِ ادب گو تو غوثِ اعظم را
خدا سپرد بہ تو کارِ ہر دو عالم را

تو آں شہی کہ کنی رد قضائے مبرم را
بری ز خاطرِ ناشاد محنت و غم را

شاہ محمد غوث صاحب
رحمۃ اللہ علیہ

ہر قسم سامان آہنی و فولادی تعمیرات کیلئے

گل محمد اینڈ برادرس

فون نمبر
۲۱۱۴
۲۵۳۹

پل پختہ پشاور شہر
سے طلب فرمائیے:

تار کا پتہ
تاج کو پشاور

جو حکومت پاکستان کے صوبہ سرحد میں نامزد کردہ

لوہا = اور = فولاد

کے واحد مرکزی سٹاکسٹ ہیں!